

قومی نصاب پاکستان (نظر ثانی شدہ) ۲۰۲۳ء کے مطابق

اُردو (لازمی)

برائے جماعت نہم



پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

پیش لفظ

یہ ایک مسئلہ حقیقت ہے کہ کسی بھی قوم کی تشکیل و تنظیم میں اس کی قومی زبان اور اس کے قومی نصاب کو کلیدی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور معاشرے میں وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ تبدیلی کا عمل جاری و ساری رہتا ہے۔ اس امر کے پیش نظر چند سال پہلے ابتدائے بچپن کی تعلیم (ECCE) سے لے کر بارہویں جماعت تک کے نصاب میں ضروری تبدیلیاں کر کے اسے نافذ کیا گیا ہے۔ نفاذ سے پہلے قومی سطح پر اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی تھی کہ وطن عزیز کے چاروں صوبوں اور دیگر انتظامی اکائیوں کی گئی مشاورت سے صوبوں کے لیے قومی نصاب ترتیب دیا جائے جس کا اطلاق تمام سرکاری اور نجی تعلیمی اداروں اور مدارس پر بھی ہو۔ انھی باتوں کے پیش نظر نویں جماعت کے طلبہ کے لیے اُردو (لازمی) کی یہ کتاب قومی نصاب پاکستان (نظر ثانی شدہ) ۲۰۲۳ء کے عین مطابق ترتیب دی گئی ہے۔ کتاب کی جدید و جدید خصوصیات درج ذیل ہیں :

- وطن عزیز کے اسلامی جمہوریہ ہونے کے ناطے کتاب کی ابتدا میں ختم و نعت اور سیرت النبی کے اسباق کو شامل کیا گیا ہے۔
- قومی شاعر علامہ محمد اقبالؒ کے کلام کو لازمی طور پر نمائندگی دی گئی ہے۔
- ہر سبق سے پہلے حاصلاتِ تعلیم یا مقاصدِ تدریس درج کیے گئے ہیں۔
- انشاپردازی اور املا پر خاص توجہ دی گئی ہے اور اس ضمن میں معزز اساتذہ کرام اور اپنے عزیز طلبہ کی سہولت کے لیے تمام ضروری الفاظ پر اعراب بالخصوص مشدد الفاظ پر تشدید اور مرتب اضافی قبیل کے الفاظ پر اضافت کا ہمزہ یاد دہانی کی ہے تاکہ بچوں کو الفاظ کا صحیح تلفظ معلوم ہو۔

- املا و انشا کے جدید اصولوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔
- ہر سبق میں حسبِ نصاب عملی قواعد کا حصہ اور کافی تعداد میں معروضی و انتہائی نوعیت کے سوالات دیے گئے ہیں جب کہ کتاب میں مشقوں کو نظر ثانی شدہ نصاب کی ہدایات کے مطابق تیار کیا گیا ہے اور ہر سبق کے آخر میں طلبہ کے استفادے کے لیے سرگرمیاں اور اساتذہ کرام کے لیے اشاراتِ تدریس شامل کیے گئے ہیں۔
- کتاب کے آخر میں عزیز طلبہ اور اساتذہ کرام کی سہولت اور رہ نمائی کے لیے الف بائی ترتیب سے فرہنگ مرتب کی گئی ہے اور فرہنگ میں بالعموم وہی معانی دیے ہیں جو متن میں مراد لیے گئے ہیں۔

اُردو (لازمی) برائے جماعت نہم کے ضمن میں ادارہ ”ویز پبلشرز“ کے ارباب اختیار کا شکر گزار ہے جن کی کتاب مقابلے میں اڈل قرار دی گئی اور جنھوں نے کتاب کو ضروری تصاویر سے مزین کیا اور کتاب کی تیاری میں ادارے کو تمام سہولتیں بہم پہنچائیں۔ مع ہذا اُردو سے متعلق تمام افراد اور اداروں سے گزارش ہے کہ اگر وہ کسی سبق کے متن میں کسی نوع کی لغزش یا املا کی کوئی غلطی دیکھیں تو اپنی آراء سے آگاہ فرمائیں۔ ادارہ آپ کا شکر گزار ہوگا۔

ادارہ



اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

فہرست

نمبر شمار	موضوعات	صفحات
۱	نغمہ (نظم)	۲
۲	(مظفر وارثی)	۲
۳	نعت (نظم)	۷
	(مولانا ظفر علی خاں)	۷
۳	اخلاق حسنہ	۱۲
	(سید سلیمان ندوی)	۱۲
۴	ابنی مدد آپ	۲۰
	(سر سید احمد خاں)	۲۰
۵	کلمہ اور مرزا ظاہر دار بیگ	۲۸
	(ڈپٹی نذیر احمد)	۲۸
۶	نام دیو-مالی	۳۸
	(مولوی عبدالحق)	۳۸
۷	آرام و سکون	۴۶
	(انتیاز علی تاج)	۴۶
۸	کتبہ	۵۸
	(غلام عباس)	۵۸
۹	ابتدائی حساب	۷۰
	(ابن انشا)	۷۰
۱۰	لڑی میں پروئے ہوئے منظر (رضاعلی عابدی)	
۱۱	بھیریا	۸۷
	(فاروق سرور)	۸۷
۱۲	محنت کی برکات (نظم)	۹۵
	(مولانا حالی آ)	۹۵
۱۳	جاوید کے نام (نظم)	۱۰۳
	(علامہ محمد اقبال)	۱۰۳
۱۴	پیام لطیف (نظم)	۱۰۷
	(شیخ ایاز، مترجم)	۱۰۷
۱۵	کرکٹ اور مشاعرہ (نظم)	۱۱۲
	(دلاور بک)	۱۱۲
۱۶	فقیرانہ آئے صدا کر چلے (غزل)	۱۱۹
	(میر تقی میر)	۱۱۹
۱۷	سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا (غزل)	۱۲۳
	(خواجہ حیدر علی آتش)	۱۲۳
۱۸	غم ہے یا خوشی ہے تو (غزل)	۱۲۸
	(ناصر کاظمی)	۱۲۸
۱۹	کاش طوفان میں سفینے کو اتارا ہوتا (غزل)	۱۳۲
	(پروین قاسم)	۱۳۲
●	فرہنگ	۱۳۵



مظفر وارثی

(۱۹۳۳ء-۲۰۱۱ء)

محمد مظفر الدین احمد صدیقی، جو اپنے قلمی نام مظفر وارثی کے نام سے معروف ہوئے، کی جائے ولادت، مردم خیز خطہ ”میرٹھ“ (یو۔ پی) ہے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم میرٹھ ہی میں حاصل کی۔ پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو وہ بھی اپنے خاندان کے ہم ماہ کراچی آگئے، جہاں اپنی تعلیم کو جاری رکھا۔

مظفر وارثی ابتدائے عمر ہی سے بڑے ذہین و فطین تھے۔ ۱۹۵۰ء میں باقاعدہ شاعری کا آغاز کیا جو تادم واپس جاری رہا۔ اصنافِ نظم میں انھوں نے تقریباً تمام مروجہ اصنافِ نظم: حمد، نعت، سلام، گیت، رباعی، قطعہ وغیرہ میں طبع آزمائی کی اور ہر جگہ اپنی ذہانت و فطانت کا لوہا منوایا تاہم حمد و نعت پر توجہ مرکوز رہی اور یہی دو اصنافِ سخن ان کی شناخت اور وجہ شہرت قرار پائیں۔ حمد میں ان کی حمد: ”اے خدا، اے خدا“ اور ”وہی خدا ہے“ اور نعت میں ”میرا پیسیر عظیم تر ہے“ زبان زدِ خاص و عام ہیں۔

ان کی شاعری کے مجموعوں میں: ”بابِ حرم“، ”لہجہ“، ”نورِ ازل“، ”الحمد“، ”کعبہ عشق“، ”لا شریک“، ”دل سے درِ نبی تک“ اور ”میرے اچھے رسول“ شامل ہیں۔ ان کی تمام شاعری ”کلیاتِ مظفر وارثی“ کی صورت میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ حکومتِ پاکستان نے ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں ۱۹۸۸ء میں ”پرائیڈ آف پرفارمنس“ سے نوازا۔

مظفر وارثی کو اردو کی موضوعاتی شاعری میں ایک اہم مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ انھوں نے بالخصوص اردو حمد و نعت کو ایک نئی جہت دی۔ فکری اور فنی ہر دو اعتبار سے ان کی تمام حمد و نعتوں کا ایک ایک شعر موتیوں کی طرح لڑی میں پرویا ہوا لگتا ہے۔ شامل کتابِ حمد: ”یہ زمیں، یہ فلک، ان سے آگے تک... اے خدا، اے خدا“ میں مظفر وارثی نے جس انداز میں باری تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کے ایک ایک پہلو اور کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو ثابت کیا ہے، وہ انھی کا خاصہ ہے۔ مزید برآں کئی معروف گلوکاروں نے اس حمد کو اپنی دل آویز آواز میں جس طرح پیش کیا ہے، اس کی وجہ سے یہ حمد ہر پڑھے لکھے شخص کی زبان پر جاری ہے۔

مقاصدِ تدریس:

- ۱۔ طلبہ کو حمد کے معنی و مفہوم سے آگاہ کرنا۔
- ۲۔ طلبہ کو مظہرِ وارثی کی حمد گوئی کی خصوصیات کے بارے میں معلومات دینا۔
- ۳۔ طلبہ کی معلومات میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے حوالے سے اضافہ کرنا۔
- ۴۔ اصنافِ نظم: حمد، مناجات، ثنوت اور منقبت شایع کرنے کے حوالے سے طلبہ کی تربیت کرنا۔
- ۵۔ طلبہ کو بتانا کہ کسی نظم کا مرکزی خیال لکھنا سکھانا۔



یہ زمیں، یہ فلک، ان سے آگے تلک
 جتنی دنیا میں ہیں، سب میں تیری جھلک
 سب سے لیکن جدا، اے خدا، اے خدا!
 ہر سحر پھوٹتی ہے نئے رنگ سے
 سبزہ و گل کھلیں سینہ سنگ سے
 گونجتا ہے جہاں تیرے آہنگ سے
 جس نے کی جستجو، مل گیا اُس کو تُو
 سب کا تُو رہ نما، اے خدا، اے خدا!
 ہر ستارے میں آباد ہے اک جہاں
 چاند سورج تیری روشنی کے نشان
 پتھروں کو بھی تُو نے عطا کی زباں
 جانور، آدمی کر رہے ہیں سبھی
 تیری حمد و ثناء، اے خدا، اے خدا!
 سوچ کر منصبِ آدمیت مجھے
 تُو نے بخشی ہے اپنی خلافت مجھے
 شوقِ سجدہ بھی کر اب عنایت مجھے
 خُم رہے میرا سر تیری دہلیز پر
 ہے یہی التجا، اے خدا، اے خدا!

(بابِ حرم)

(۱) ختم کے متن کے مطابق لفظ لے کر معرے مکمل کریں۔

(الف) گو نجاتا ہے جہاں تیرے _____ سے

(ب) ہر ستارے میں آباد ہے اک _____

(ج) پتھروں کو بھی تو نے عطا کی _____

(د) سوپ کر منصب _____ مجھے

(ه) شوقِ سجدہ بھی کر اب _____ مجھے

(۲) ختم کے متن سے متعلق نیچے دیے ہوئے سوالوں کے مختصر جواب لکھیں۔

(الف) شاعر کے نزدیک ہر سحر کس رنگ میں پھوٹتی ہے؟

(ب) یہ جہاں ہر دم کس کے آہنگ سے گونجتا ہے؟

(ج) حیوانات و جمادات کس کی ختم و شاکر تے ہیں؟

(د) اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت کا منصب کسے عطا کیا ہے؟

(ه) شاعر باری تعالیٰ سے شوقِ سجدہ کا طلب گار کیوں ہے؟

(۳) ”ختم“ کے متن کے مطابق کالم (الف) میں دیے گئے الفاظ کو کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ سے ملائیں۔

کالم (ب)
گل
سنگ
فلک
آدمیت
سجدہ
سورج

کالم (الف)
سینہ
زمیں
سبزہ و
چاند
منصب
شوق

غلالت	جستجو	عمر	فلک
سبزہ دگل	شوق سجدہ	منصب	آدمیت

مصطلحات نظم یہ لفظ معنی میں:

تذکرہ: تخریج سے ایسی نظم یا اشعار مراد لیے جاتے ہیں جن میں خدائے بزرگ و برتری تعریف و ثنائیان کی گئی ہو۔

مناجات: مناجات اردو شعری اصطلاح میں ایسی نظم کو کہتے ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے ساتھ ساتھ اپنا عجز و انکسار ظاہر کر کے دعا اور التجا کی جائے۔ تخریج اور مناجات میں فرق یہ ہے کہ تخریج میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی جاتی ہے جب کہ مناجات میں بندہ اپنے پروردگار سے کچھ طلب کرتا ہے۔

نعت: لفظ "نعت" کے لغوی معنی تو تعریف کرنا کے ہیں لیکن شعری اصطلاح میں یہ لفظ رسول اکرم ﷺ کی تعریف و توصیف کے لیے وقف ہو چکا ہے۔ تاریخی اعتبار سے نعت کا آغاز رسول کریم ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں ہو گیا تھا اس حوالے سے حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن زبیر اور دیگر کئی صحابہ کرام معروف ہیں اور یہ سلسلہ آج تک پورے تڑک و احتشام کے ساتھ جاری و ساری ہے۔

منقبت: لفظ "منقبت" کے لغوی معنی تعریف، توصیف، صفت و ثناء خاندانی فضیلت و برتری یا ہنر اور بڑائی کے ہیں۔ اصطلاح شعر میں منقبت سے مراد ایسی نظم ہے جس میں صحابہ کرام، ائمہ معصومین، اولیائے عظام اور بزرگان دین کے اوصاف بیان کیے جائیں۔

(۵) کتاب میں شامل تخریجی روشنی میں تخریج اور مناجات میں فرق واضح کریں۔

نظم کا مرکزی خیال:

کسی بھی نظم کے لب لباب کو اس کا مرکزی خیال کہتے ہیں۔ مرکزی خیال عموماً تین چار سطروں پر مشتمل ہوتا ہے۔

شامل کتاب "تخریج" کا مرکزی خیال:

شاعر اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے باری تعالیٰ! زمین ہو یا آسمان تو ہر جگہ اور ہر لمحہ موجود ہے۔ بلاشبہ جو شخص خلوص دل سے تجھے ڈھونڈتا ہے، پالیتا ہے۔ یہ کائنات تیری تخلیق ہے اس لیے ہر شے اپنی زبانِ خال سے تیری شاکرتی نظر آتی ہے۔ میری التجا ہے کہ جہاں تُو نے انسان کو اپنی خلافت عطا کی ہے وہاں مجھے بھی شوقِ سجدہ عطا کر!

جماعت نہم

﴿۶﴾ سکول لائبریری سے منظرِ وارثی کی کلیات حاصل کر کے یا انٹرنیٹ کی مدد سے منظرِ وارثی کی کوئی اور خدمت لیں اور اس کا مطالعہ کر کے مرکزی خیال لکھیں۔

سرگرمیاں:

- منظرِ وارثی کے علاوہ کسی اور شاعر کی خدمت تلاش کریں اور اسے اپنی کاپی میں لکھیں۔
- تمام طلبہ گروپ کی صورت میں اس خدمت کی درست آہنگ کے ساتھ بلند خوانی کریں۔

اشاراتِ تدریس

- ۱۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ خدمت اور مناجات میں کیا فرق ہے۔
- ۲۔ اساتذہ طلبہ کو منظرِ وارثی کے بارے میں بتائیں اور ان پر واضح کریں کہ اردو خدمت و تختہ شاعری میں اُن کا بڑا مقام و مرتبہ ہے۔
- ۳۔ اساتذہ طلبہ کو خدمت شاعری کی روایت کے بارے میں بھی بتائیں۔
- ۴۔ اساتذہ طلبہ پر ”جس نے کی جستجو، مل گیا اس کو ٹو“ کا مفہوم واضح کریں۔
- ۵۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ ستارے اور ستارے میں کیا فرق ہے۔ سورج ایک ستارہ اور زمین ایک ستارہ ہے اور اس نظام کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔



عناجز و انکسار

کاتی ہے جب

لہذا غنیہ و غنی کی

لہذا غنیہ و غنی کی

۵۔ صحابہ کرام

ن کے ہیں۔

بزرگانِ دین

شخص

نظر

نہم



مولانا ظفر علی خاں

(۱۸۷۳ء-۱۹۵۶ء)

وزیر آباد سے بجانب سیال کوٹ تین چار کلومیٹر کے فاصلے پر ایک گاؤں ”کرم آباد“ آتا ہے۔ چودھری کرم الہی، مولانا ظفر علی خاں کے دادا کا نام تھا اور ”کرم آباد“ بھی انھی کے نام سے منسوب ہے۔ کرم آباد کے قریب ہی ایک چھوٹے سے گاؤں کا نام ”کوٹ مہر تھ“ ہے جو مولانا ظفر علی خاں کی جائے ولادت ہے۔ ان کے والد کا نام چودھری سراج الدین احمد تھا جو محکمہ ڈاک میں پوسٹ ماسٹر تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مشن ہائی سکول وزیر آباد، میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول پیالہ اور گریجویٹیشن ایم اے او کالج علی گڑھ سے کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ریاست جموں و کشمیر کے محکمہ ڈاک میں ملازمت اختیار کر لی مگر جلد ہی اس ملازمت کو خیر باد کہا اور حیدر آباد (دکن) میں ملازمت حاصل کر لی۔ سراج الدین احمد ملازمت سے سبک دوش ہو کر کرم آباد میں مستقل طور پر آ گئے تو انھوں نے ایک انوکھے کام کا آغاز کیا اور اردو زبان میں اخبار ”زمیندار“ نکالنا شروع کیا جسے وہ گرد و نواح کے زمینداروں کی رہنمائی کے لیے اپنے ہاتھوں سے لکھتے تھے اور ان کے ڈیروں پر پہنچاتے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں حیدر آباد (دکن) سے ترک ملازمت کر کے کرم آباد آ گئے اور بڑی شن دہی سے اُن کا ہاتھ بٹانے لگے۔ کچھ ہی عرصے بعد وہ ”زمیندار“ کو لے کر لاہور آ گئے اور اخبار چھاپ کر شائع کرنے لگے۔ بہت کم عرصے میں چاروں طرف ”زمیندار“ کا چرچا ہو گیا اور عوام نے مولانا ظفر علی خاں کو ”بابائے صحافت“ کا لقب دیا۔

مولانا ظفر علی خاں بیک وقت ایک قادر الکلام شاعر، شعلہ بیان مقرر، صاحب طرز انشا پرداز، بے باک صحافی، بہترین مترجم اور ایک دلیر سیاست دان ہونے کی حیرت انگیز مثال تھے۔

ہر چند مولانا کی اکثر و بیش تر شاعری ہنگامی صورت حال کا تقاضا ہے تاہم انھوں نے خمد و نعت میں وہ مقام پیدا کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ اچھی نعت وہی شاعر لکھتا ہے جس کے دل میں رسول کریم ﷺ کی محبت کا جذبہ موج زن ہو۔ اس لحاظ سے مولانا ظفر علی خاں کی نعت گوئی خلوص، عقیدت، جدت طبع اور قدرت بیان کا حسین امتزاج ہے اور انھی خوبیوں کی بنا پر شامل کتاب نعت زبان زد خاص و عام ہے۔

نعت



مقاصدِ تدریس:

- ۱۔ طلبہ کو منصبِ نظم اور نعت گوئی کے فن کے بارے میں آگاہ کرنا۔
- ۲۔ طلبہ کو مولانا ظفر علی خاں کی محترمہ علمی و ادبی خدمات سے روشناس کرنا۔
- ۳۔ طلبہ کو مولانا ظفر علی خاں کی نعت گوئی کی نمایاں خصوصیات کے بارے میں بتانا۔
- ۴۔ طلبہ میں نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے محبت اور اطاعت و اتباع کے جذبات کو اجاگر کرنا۔
- ۵۔ طلبہ کو شعری اصطلاحات: مصرع، شعر اور قافیہ، ردیف سے روشناس کرنا اور شعری تشریح کرنا سکھانا۔

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا شہیں تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا شہیں تو ہو
بھونٹا جو سینہ شبِ تارِ آنت سے
اس نورِ اولیس کا اجالا شہیں تو ہو
سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ شہیں تو ہو
جلتے ہیں جبریلؑ کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا شہیں تو ہو
گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے
اے تاجِ دارِ یثرب و بلحا شہیں تو ہو
دنیا میں رحمتِ دو جہاں اور کون ہے
جس کی نہیں نظیر وہ تنہا شہیں تو ہو

(بہارستان)

جماعتِ نہم



۱۔ شامل کتاب تحت کے متن کے مطابق مناسب لفظ لگا کر مصرعے مکمل کریں۔

- (الف) دل جس سے زندہ ہے وہ _____ نہیں تو ہو
(ب) سب غایوں کی _____ نہیں تو ہو
(ج) جلتے ہیں _____ کے پر جس مقام پر
(د) اس _____ کا اجالا نہیں تو ہو
(و) دنیا میں _____ اور کون ہے

۲۔ شامل کتاب تحت کے متن سے متعلق نیچے دیے ہوئے سوالوں کے مختصر جواب لکھیں۔

- (الف) سینہ رشب تارالست سے کیا پھوٹا؟
(ب) شاعر کے نزدیک اس کائنات میں سب کچھ کس کے واسطے پیدا کیا گیا؟
(ج) ”جلتے ہیں جبریل کے پر جس مقام پر“ کی وضاحت واقعہ معراج کی روشنی میں کریں۔
(د) شاعر کے نزدیک آپ ﷺ کے ہاتھوں نے کسے تھام لیا؟
(د) شاعر کے نزدیک جس کی نظیر نہیں ملتی، وہ کون سی ہستی ہے؟
(د) شاعر نے ”اے تاجدارِ یثرب و بطحا“ کہہ کر کسے مخاطب کیا ہے؟

۳۔ اعراب لگا کر درست تلفظ واضح کریں۔

شب تارالست غایت ادلی یثرب و بطحا نور اولیں رحمتہ و جہاں

شعری اصطلاحات:

مصرع: لفظ ”مصرع“ کے لغوی معنی کواڑ (دروازے) کا ایک پٹ کے ہیں مگر شعری اصطلاح میں اس سے مراد ہے آدھا شعری نصف بیت ہے۔ دوسرے لفظوں میں مصرع یا معنی الفاظ پر مشتمل وہ سطر ہے اگر نثر میں ہو تو فقرہ یا جملہ کہلائے اور اگر نظم میں ہو تو مصرع۔ مثلاً: ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے مصرع کی علامت: ص ہے۔

جماعت نہم

شعر: لفظ "شعر" کے لغوی معنی ہیں: کلام موزوں۔ دو مصرعے جو ایک وزن کے ہوں اور ایک خیال کو ظاہر کریں تو وہ شعر یا بیت ہے، مثلاً: زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے شعر کی علامت: - ہے۔

قافیہ: ہر شعر کے آخر میں آنے والے الفاظ کو قافیہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً: مرنا غالب کی ایک معروف غزل میں قافیہ ہے: ہوا، دوا، ماجرا، مدعا، وفا، صدا، بُرا

اور علامہ اقبال کی شامل کتاب نظم "جاوید کے نام" میں قافیہ ہے: مقام، شام، کلام، جام، فام، نام ردیف: لفظ "ردیف" کے لغوی معنی ہیں: گھڑ سوار کے پیچھے بیٹھنے والا آدمی مگر شعری اصطلاح میں قافیہ کے بعد آنے والے وہ لفظ یا الفاظ جو جوں کے توں دہرائے جائیں، ردیف کہلاتے ہیں۔ جیسے مرنا غالب کی تذکرہ غزل کی ردیف ہے: "کیا ہے" اور علامہ اقبال کی شامل کتاب نظم "جاوید کے نام" کی ردیف ہے "پیدا کر"

(۴) شامل کتاب "نعت" میں قوافی اور ردیف کی نشان دہی کریں۔

(۵) صنف نظم "نعت" اور "مستقب" میں فرق واضح کریں۔

تشریح اشعار:

جس شعر کی تشریح کرنا مقصود ہو تو خیال رکھنا چاہیے کہ اس شعر میں بیان کی ہوئی باتوں کی وضاحت کر دی جائے۔ اگر شعر میں کوئی محاورہ یا ترکیب یا تلمیح بیان ہوئی ہے تو اسے کھول کر بیان کر دیا جائے۔ شعر کی تشریح کی کوئی حد مقرر نہیں ہوتی، یہ جامع بھی ہو سکتی ہے اور خاصی طویل بھی۔ تشریح کے ضمن میں کوئی قول بھی لکھا جاسکتا ہے اور اگر اسی معنی و مفہوم کا کوئی اور شعر یاد ہے تو وہ بھی لکھنا چاہیے۔ شامل کتاب "نعت" کے آخری شعر کی تشریح کم و بیش یوں ہوگی:

دنیا میں رحمتِ دو جہاں اور کون ہے

جس کی نہیں نظیر وہ تنہا شہیں تو ہو

شاعر کا نام: مولانا ظفر علی خاں

نظم کا عنوان: نعت

تشریح: مولانا ظفر علی خاں رسول اکرم ﷺ سے مخاطب ہیں کہ یا رسول کریم ﷺ! آپ دنیا اور آخرت

دونوں جہانوں کے لیے باعثِ رحمت ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ترجمہ: اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت (بنا کر)

لہذا یا رسول اللہ ﷺ! میرا ایمان ہے اور میرے ایمان کا حاصل یہی ہے کہ:

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے، سب سے افضل

میرے ایمان مفضل کا یہی ہے مجمل

چناں چہ یا رسول اللہ ﷺ! جس کی دنیا میں کوئی مثال یا نظیر نہیں وہ بے شائبہ آپ کی ذات پاک ہے۔

یعنی باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کو صرف اسی دنیا کے لیے نہیں بلکہ دنیا و آخرت دونوں جہانوں کے لیے باعثِ رحمت

بنا کر بھیجا ہے۔

شاعر کے کہنے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کائنات کے خالق و مالک کے بعد آپ ﷺ کا وجودِ مبارک سب سے عظیم ہے

جیسا کہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے: ”بعد از خدا بزرگ توئی قبضہ مختصر“

﴿۶﴾ شامل کتاب ”نعت“ کے پہلے دو شعروں کی تشریح کریں۔

سرگرمیاں:

- تمام طلبہ اس نعت کو چارٹ پر خوش خط لکھیں۔ جس کا چارٹ اوّل آئے اسے جماعت کے کمرے میں آویزاں کیا جائے۔
- کوئی خوش الحان طالب علم یہ نعت ترجم کے ساتھ کلاس میں سنائے۔
- طلبہ ”کلیات ظفر علی خاں“ میں سے مولانا ظفر علی خاں کی کوئی اور نعت تلاش کریں اور اسے اپنی کاپی میں لکھیں۔

اشاراتِ تدریس

- ۱۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ صنفِ نعت اور منقبت میں کیا فرق ہے۔
- ۲۔ اساتذہ طلبہ کو مولانا ظفر علی خاں کے مختصر آسوانجی حالات بیان کرتے ہوئے واضح کریں کہ اردو نعتیہ شاعری میں ان کا بڑا اونچا مقام و مرتبہ ہے۔
- ۳۔ اساتذہ طلبہ پر مولانا ظفر علی خاں کی سیاسی اور ہنگامی شاعری کے مختصر اذکر کے علاوہ یہ بھی واضح کریں کہ وہ فی البدیہہ شعر کہنے پر حیرت انگیز قدرت رکھتے تھے۔
- ۴۔ اساتذہ طلبہ کو اردو نعتیہ شاعری کی روایت سے بھی آگاہ کریں۔
- ۵۔ اساتذہ نعت کے دوسرے شعری وضاحت کرتے ہوئے قرآن مجید کے حوالے سے قرآنی تلمیح ”الْفُسْتُ بِزَيْبِكُمْ“ کی وضاحت بھی کریں۔
- ۶۔ اساتذہ طلبہ کو اختصار کے ساتھ واقعہِ معراج سنائیں اور اس واقعے میں حضرت جبریل کے کردار سے بھی آگاہ کریں۔



سید سلیمان ندوی

(۱۸۸۳ء-۱۹۵۳ء)

سید سلیمان ندوی ضلع پٹنہ (انڈیا) کے ایک گاؤں دیسنہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء مظفر گڑھ، جسے علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء-۱۹۱۳ء) نے قائم کیا تھا، سے حاصل کی اور اسی ادارے سے وابستہ اور علامہ شبلی نعمانی کے خاص تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب مولانا شبلی نعمانی اپنی عظیم تصنیف ”سیرت النبی“ ترتیب دے رہے تھے۔ وہ دو جلدیں ہی ترتیب دے پائے تھے کہ ان کا ناگہانی انتقال ہو گیا تو یہ فریضہ سید سلیمان ندوی نے اپنے ذمے لے لیا اور باقی ماندہ چار جلدوں کی بہ طریق احسن تکمیل کی۔

سید سلیمان ندوی کو علامہ شبلی نعمانی کی طرح تاریخ، بالخصوص تاریخ عالم اسلام اور ادب سے خاص لگاؤ تھا۔ چنانچہ انھوں نے سیرت، سوانح، دین اسلام اور زبان و ادب کے موضوعات پر تحقیقی کام کیا۔ علامہ اقبال اور سر سید مسعود کے ہم راہ حکومت افغانستان کی دعوت پر افغانستان گئے اور وہاں کے حالات قلم بند کیے۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی آ گئے۔ حکومت پاکستان نے ان کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں ”نشان سپاس“ پیش کیا۔ کراچی میں انتقال کیا۔ ان کی آخری آرام گاہ اسلامیہ کالج کراچی کے عقب میں ایک احاطے میں واقع ہے۔

سید سلیمان ندوی کی تدفین کے وقت شام کے سفیر نے کہا تھا کہ ہم سید سلیمان ندوی کو دفن نہیں کر رہے بلکہ انسانیکو بیڑیا آف اسلام کو دفن کر رہے ہیں۔

سید سلیمان ندوی کی تصانیف میں: ”خطبات مدراس“، ”عرب و ہند کے تعلقات“، ”عربوں کی جہاز رانی“، ”سیرت عائشہ“، ”حیات شبلی“، ”نقوش سلیمانی“ اور ”رحمت عالم“ شامل ہیں۔ شامل کتاب اقتباس ان کی تصنیف ”رحمت عالم“ سے مستعار ہے جس میں نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اخلاق حسنہ

مقامی دروس

- ۱۔ طلبہ کو اعلان نبوت سے پہلے عربوں میں جاری رسوم و روایات سے آگاہ کرنا۔
- ۲۔ طلبہ کو اس امر سے آگاہ کرنا کہ آپ ﷺ نے تبلیغ اسلام کے آغاز میں بڑی مشکلات کا سامنا کیا۔
- ۳۔ طلبہ کو سیرت نگاری اور سیرت النبی کے چیدہ چیدہ نکات سے روشناس کرنا۔
- ۴۔ طلبہ کو مولانا شبلی نعمانی کی "سیرت النبی" کو مرتب کرنے میں سید سلیمان ندوی کی خدمات سے آگاہ کرنا۔
- ۵۔ طلبہ کے دلوں میں اسلامی جذبہ پیدا کرنا اور طلبہ کو اپنے کردار اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کی ترغیب دینا۔
- ۶۔ نثر پارے کی تشریح کرنے کا انداز سکھانا۔

کسی نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ حضور انور ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ انھوں نے کہا: "کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ جو کچھ قرآن میں ہے وہ حضور ﷺ کے اخلاق تھے۔" غرض آپ ﷺ کی ساری زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر تھی اور یہ بھی آپ ﷺ کا ایک معجزہ ہے۔ خود قرآن نے اس کی شہادت دی اور کہا:

ترجمہ: "بے شک اے محمد (رسول اللہ ﷺ) آپ حسن اخلاق کے بہت بڑے رتبے پر ہیں۔"

حضور ﷺ نہایت خاکسار، ملنسار، مہربان اور رحم دل تھے۔ چھوٹے بڑے سب سے محبت کرتے، نہایت سخی، فیاض اور داد و ہش والے تھے۔ امکان بھر سب کی درخواست پوری کرتے۔ تمام عمر کسی کے سوال پر "نہیں" نہیں کہا۔ خود بھوکے رہتے اور دوسروں کو کھلاتے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی کی شادی ہوئی، اُن کے پاس ویسے کا کچھ سامان نہ تھا۔ حضور ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ، حالاں کہ اُس آٹے کے سوا شام کے لیے گھر میں کچھ بھی نہ تھا۔ فیاضی اور دنیا کے مال سے بے تعلقی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں نقد قسم کی کوئی چیز بھی ہوتی تو جب تک وہ سب خیرات نہ کر دی جاتی آپ ﷺ اکثر گھر میں آرام نہ فرماتے۔ ایک بار فیدک کے رئیس نے چار اونٹوں پر غلہ بھیجا۔ اس کو بیچ کر قرض ادا کیا گیا، پھر بھی بیچ رہا۔ آپ ﷺ نے کہا: جب تک کچھ بھی باقی رہے گا، میں گھر میں نہیں جاسکتا، رات مسجد میں بسر کی۔ دوسرے دن جب معلوم ہوا کہ وہ غلہ تقسیم ہو چکا ہے تب گھر میں تشریف لے گئے۔

حضور ﷺ بڑے مہمان نواز تھے۔ آپ ﷺ کے یہاں مسلمان، مشرک اور کافر سب ہی مہمان ہوتے۔ آپ ﷺ سب کی خاطر کرتے اور خود ہی سب کی خدمت کرتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ موجود ہوتا، وہ اُن کو کھلا پلا دیا جاتا اور پورا گھر فاقہ کرتا۔ راتوں کو اٹھ کر مہمانوں کی دیکھ بھال فرماتے کہ ان کو کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ گھر جماعت نہم

میں رہتے تو گھر کے کام کاج اپنے ہاتھوں سے کرتے۔ اپنے بچے کپڑے آپ سی لیتے، اپنے بچے جوتے کو خود گانٹھ لیتے، بکریوں کا دودھ اپنے ہاتھوں سے دیتے۔ مجمع میں بیٹھے تو سب کے برابر ہو کر بیٹھے۔ مسجد نبوی کے بنانے اور خندق کھودنے میں سب مزدوروں کے ساتھ مل کر آپ ﷺ نے بھی کام کیے۔

غریبوں کے ساتھ آپ ﷺ کا برتاؤ ایسا ہوتا کہ ان کو اپنی غریبی محسوس نہ ہوتی۔ ان کی مدد فرماتے اور ان کی دل جوئی کرتے۔ اکثر دعائیں گنتے تھے کہ خداوند! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا اور مسکینوں کے ساتھ میرا شکر کر۔

آپ ﷺ مظلوموں کی فریاد سننے اور انصاف کے ساتھ ان کا حق دلاتے۔ کم زوروں پر رحم کھاتے، بے کسوں کا سہارا بننے، مقروضوں کا قرض ادا کرتے۔ حکم تھا کہ جو مسلمان مر جائے اور اپنے ذمے قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو، میں اس کو ادا کر دوں گا اور وہ جو ترکہ چھوڑ جائے وہ دار ثلث کا حق ہے، مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں ہے۔

آپ ﷺ بیماروں کو تسلی دیتے، ان کو دیکھنے جاتے۔ دوست، دشمن اور مومن و کافر کی اس میں کوئی تفریق نہ تھی۔ گناہ گاروں کو معاف کر دیتے، دشمنوں کے حق میں دعائے خیر فرماتے۔

ہم سایوں کی خبر گیری فرماتے۔ ان کے ہاں تحفے بھیجتے، ان کا حق پورا کرنے کی تاکید فرماتے رہتے۔ ایک دن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مجمع تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”خدا کی قسم وہ مومن نہ ہو گا۔ خدا کی قسم وہ مومن نہ ہو گا۔“ صحابہ نے پوچھا: ”کون یا رسول اللہ؟“ فرمایا: ”جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے بچا ہوا نہ ہو۔“

آپ ﷺ پڑوسیوں کے گھر جا کر ان کے کام کر آتے۔ پڑوسیوں کے سوا اور جو بھی آپ ﷺ سے کسی کام کے لیے کہتا، اس کو پورا فرماتے۔ بیوہ ہو یا مسکین یا کوئی اور ضرورت مند، سب ہی کی ضرورتوں کو آپ ﷺ پورا فرماتے اور دوسروں کے کام کرنے میں عار محسوس نہ فرماتے۔

بچوں سے بڑی محبت فرماتے تھے، ان کو چومتے اور پیار کرتے تھے۔ فصل کا نیا میوہ سب سے کم عمر بچے جو اس وقت موجود ہوتا، اس کو دیتے۔ راستے میں بچے مل جاتے تو خود ان کو سلام فرماتے۔

اسلام سے پہلے عورتیں ہمیشہ ذلیل رہی ہیں لیکن ہمارے حضور ﷺ نے ان پر بہت احسان فرمایا۔ ان کے حقوق مقرر فرمائے اور اپنے برتاؤ سے ظاہر فرمادیا کہ یہ طبقہ حقیر نہیں ہے بلکہ عزت اور ہمدردی کے لائق ہے۔ آپ ﷺ کے پاس ہر وقت مردوں کا مجمع رہتا تھا۔ عورتیں دلیری اور بے تکلفی سے آپ ﷺ سے مسائل پوچھتیں، لیکن آپ ﷺ برا نہ مانتے، ان کی خاطر داری کا خیال رکھتے تھے۔

آپ ﷺ ساری دنیا کے لیے رحمت بن کر آئے تھے۔ اس لیے کسی کے ساتھ بھی زیادتی اور نا انصافی کو پسند نہ فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ جانوروں کے ساتھ لوگ جو بے پروائی برتتے تھے، وہ بھی آپ ﷺ کو گواہ نہ تھی اور ان بے زبانوں

جماعتِ خیم

آپ ﷺ کی نظر میں امیر و غریب سب برابر تھے، قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ لوگوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، جن کو آپ ﷺ بہت چاہتے تھے، سفارش کرائی۔ حضور ﷺ نے سب سے فرمایا: ”تم سے پہلے کی قومیں اس لیے برباد ہو گئیں کہ جب کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب معمولی آدمی جرم کرتا تو وہ سزا پاتا۔ خدا کی قسم! اگر محمد (رسول اللہ ﷺ) کی بیٹی بھی چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے۔“

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس برس آپ ﷺ کی خدمت میں گزارے مگر آپ ﷺ نے نہ کبھی ڈانٹا، نہ مارا، نہ یہ پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا۔ آپ ﷺ نے تمام عمر کبھی کسی کو نہیں مارا اور یہ کیا عجیب بات ہے کہ ایک فوج کا جرنیل، جس نے مسلسل نو برس لڑائیوں میں گزارے اور جس نے کبھی لڑائی کے میدان سے منھ نہیں موٹا، اپنے دشمن پر کبھی تلوار نہیں اٹھائی اور نہ اپنے ہاتھ سے کسی پر وار کیا۔ اُحد کے میدان میں جب ہر طرف سے آپ ﷺ پر، پتھروں، تیروں اور تلواروں کی بارش ہو رہی تھی، آپ ﷺ اپنی جگہ کھڑے تھے اور جاں نثار دائیں بائیں کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ اسی طرح حنین کی لڑائی میں اکثر مسلمان غازیوں کے پاؤں اکھڑ چکے تھے، حضور ﷺ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ کھڑے تھے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں، لڑائی کے اکثر معرکوں میں آپ ﷺ وہاں ہوتے تھے جہاں بڑے بڑے بہادر کھڑا ہونا اپنی شجاعت کا آخری کارنامہ سمجھتے تھے مگر ایسے خوفناک مقاموں میں رہ کر بھی دشمن پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

سال ہا سال کی ناکامی کی تکلیفوں کے بعد بھی کبھی مایوسی نے آپ ﷺ کے دل میں ماہ نہ پائی اور آخر وہ دن آیا جب آپ ﷺ اکیلے سارے عرب پر چھا گئے۔ مکہ کی تکلیفوں سے گھبرا کر ایک صحابی نے درخواست کی: ”یا رسول اللہ! آپ ہم لوگوں کے لیے کیوں مدد کی دعا نہیں فرماتے؟“ یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا: ”تم سے پہلے جو لوگ گزرے، اُن کو آروں سے چیرا گیا، اُن کے بدن پر لوہے کی کنگھیاں چلائی گئیں، جس سے گوشت پوست سب کٹ جاتا لیکن یہ تکلیفیں بھی اُن کو حق سے نہ پھیر سکیں۔ خدا کی قسم! دین اسلام اپنے کمال کے مرتبے پر پہنچ کر رہے گا یہاں تک کہ صنعا (یمن) سے حضر موت تک ایک سوار اس طرح بے خطر چلا جائے گا کہ اُس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا۔“

آپ ﷺ کا وہ عزم اور استقلال یاد ہو گا جب آپ ﷺ نے اپنے چچا کو جواب دیا تھا:

”چچا جان! اگر قریش میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں تب بھی حق کے اعلان سے باز نہ رہوں گا۔“

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بھوکا آپ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آپ ﷺ نے ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا۔ جواب آیا، گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے دوسرے گھروں میں آدمی بھیجا۔ وہاں سے بھی

یہی جواب آیا۔ غرض آٹھ نو گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہیں نکلی۔

ایک دن آپ ﷺ بھوک میں ٹھیک دو پہر کو گھر سے نکلے۔ ساتے میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ملے۔ یہ دونوں بزرگ بھی بھوکے تھے۔ آپ ﷺ ان کو لے کر حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آئے۔ ان کو خبر ہوئی تو دوڑے آئے اور باغ سے جا کر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے اور سامنے رکھ دیا۔ اس کے بعد ایک بکری ذبح کی اور کھانا تیار کیا اور سامنے لا کر رکھا۔ آنحضرت ﷺ نے ایک روٹی پر تھوٹا سا گوشت رکھ کر فرمایا: ”یہ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے یہاں بھجواؤ، اس کو کئی دن سے کھانا نصیب نہیں ہوا۔“

آنحضرت ﷺ نے جب وفات پائی تو حالت یہ تھی کہ آپ ﷺ کی زہرہ، تمن سیر بخو پر ایک یہودی کے پاس گروی تھی۔ جن کپڑوں میں وفات ہوئی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔

مزاج مبارک میں سادگی بہت تھی۔ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، اٹھنے بیٹھنے کسی چیز میں تکلف پسند نہ تھا۔ جو سامنے آجاتا وہ کھا لیتے۔ پہننے کے لیے موٹا جھوٹا جو مل جاتا اس کو پہن لیتے۔ زمین پر، چٹائی پر، فرش پر، جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ خدا کی نعمتوں سے جائز طور پر فائدہ اٹھانے کی اجازت آپ ﷺ نے ضروری لیکن تن پروری اور عیش نہ اپنے لیے پسند فرمایا نہ عام مسلمانوں کے لیے۔ صفائی کا خاص خیال رہتا۔ ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھو لیا کرے۔ گفت گو ٹھہر ٹھہر کر فرماتے تھے۔ ایک ایک فقرہ الگ ہوتا۔ کسی کی بات کاٹ کر گفت گو نہ فرماتے۔ جو بات ناپسند ہوتی اس کو ٹال دیتے۔ زیادہ تر چپ رہتے اور بے ضرورت گفت گو نہ فرماتے۔ ہنسی آتی تو مسکرا دیتے۔

دنیا سے بے رغبتی کے باوجود آپ ﷺ کو خشک مزاجی اور زود کھاپن پسند نہ تھا، کبھی کبھی دل چسپی کی باتیں فرماتے۔ ایک بار ایک بڑھیا آپ ﷺ کے پاس آئی اور جنت کے لیے دعا کی خواہش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بڑھیاں جنت میں نہ جائیں گی۔ اس کو بہت رنج ہوا۔ روتی ہوئی واپس چلی گئی۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا کہ اس سے کہ دو کہ بڑھیاں جنت میں نہ جائیں گی مگر جوان ہو کر جائیں گی۔

آپ ﷺ ہر لحظہ اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں لگے رہتے۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے غرض ہر وقت اس کی خوشی کی تلاش رہتی اور ہر حالت میں دل اور زبان سے اللہ کی یاد جاری رہتی۔ رات کا بڑا حصہ خدا کی یاد میں بسر ہوتا۔ کبھی پوری پوری رات نماز میں کھڑے رہتے اور بڑی بڑی سورتیں پڑھتے۔

آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بڑے پیارے پیغمبر تھے، پھر بھی فرمایا کرتے کہ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ میرے اوپر کیا گزرے گی۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک بار حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا تو آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہیں۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، روتے روتے اس قدر ہچکیاں بندھ گئی تھیں کہ معلوم ہو رہا تھا کہ چلی چل رہی ہے یا ہانڈی اُبل

جماعت نہم

رہا ہے۔ ایک بار آپ ﷺ ایک جنازے میں شریک تھے، قبر کھودی جا رہی تھی۔ آپ ﷺ نے قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور یہ منظر دیکھ کر رونے لگے، یہاں تک کہ زمین تر ہو گئی۔ پھر فرمایا: ”بھائیو! اس دن کے لیے سامان کر رکھو۔“ (رحمت عالم)



(۱) درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

- (i) رسول کریم ﷺ کی ساری زندگی قرآن مجید کی تھی:
- (الف) تشریح (ب) وضاحت (ج) تفسیر (د) عملی تفسیر
- (ii) فیدک کے رئیس نے غلہ بھیجا:
- (الف) دو اونٹوں پر (ب) تین اونٹوں پر (ج) چار اونٹوں پر (د) پانچ اونٹوں پر
- (iii) آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”خدا کی قسم! وہ مومن نہ ہو گا جس کا پڑوسی اس کی _____ سے بچا ہوا نہ ہو۔“
- (الف) ریشہ دوانیوں (ب) فتنہ انگیزیوں (ج) سازشوں (د) شرارتوں
- (iv) آپ ﷺ فصل کا میوہ سب سے پہلے عطا فرماتے:
- (الف) کم عمر بچے کو (ب) لوجوان کو (ج) ادھیڑ عمر کو (د) ضعیف العمر کو
- (v) آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا عرصہ لڑائیوں میں بسر ہوا:
- (الف) آٹھ برس (ب) نو برس (ج) دس برس (د) گیارہ برس
- (vi) حضرت _____ کو آپ ﷺ کے گھر آنے کی خبر ہوئی تو وہ باغ سے جا کر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے۔
- (الف) عثمان غنیؓ (ب) ابویوب انصاریؓ (ج) ابو عبیدہؓ (د) سلمان فارسیؓ

(۲) سبق ”اخلاقِ حسنہ“ کے متن کو مد نظر رکھتے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

- (الف) کس سے پوچھا گیا کہ حضور انور ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟
- (ب) آپ ﷺ گھر کے کس نوعیت کے کام کاج کرنے کو عار نہیں سمجھتے تھے؟
- (ج) خندق کھودتے وقت آپ ﷺ نے کیا کام انجام دیا؟
- (د) اگر کسی ایسے شخص کا انتقال ہوتا جس کے ذمے قرض ہوتا اور اس کے بارے میں آپ ﷺ کا کیا ارشاد تھا؟
- (ه) آپ ﷺ کا پڑوسیوں کے بارے میں کیسا سلوک روا رکھنے کا فرمان ہے؟

(۳) نیچے دی ہوئی ترکیب کے معانی لکھیں اور انہیں اپنے جملوں میں استعمال کریں۔

حضور انور حسن اخلاق داد و دہش مسجد نبوی چہرہ مبارک عزم و استقلال

(۴) دیے ہوئے واحد الفاظ کے جمع لکھیں۔

اخلاق معجزہ فرمان رئیس مسکین سفارش جاں نثار باغ اعلان

(۵) دیے ہوئے جمع الفاظ کے واحد بتائیں۔

بچیاں گناہ گاروں عنہم صحابہ ازدواج وارثوں مسائل کنگھیاں کھجوروں

نثر پارے کی تشریح

(۶) نیچے دیے ہوئے نثر پارے کی تشریح کریں۔ تشریح سے پہلے مصنف کا نام، سبق کا عنوان اور خط کشیدہ الفاظ کے معانی بھی لکھیں۔

”مزاج مبارک میں سادگی بہت تھی۔ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، اٹھنے بیٹھنے، کسی چیز میں تکلف پسند نہ تھا۔ پہننے کے لیے موٹا جھوٹا جمل جاتا، اس کو پہن لیتے۔ زمین پر، چٹائی پر، فرش پر، جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ خدا کی نعمتوں سے جائز طور پر فائدہ اٹھانے کی اجازت آپ نے ضرور دی لیکن تن پروردی اور عیش نہ اپنے لیے پسند فرمائی نہ عام مسلمانوں کے لیے۔“

مصنف کا نام : سید سلیمان ندوی

سبق کا عنوان : اخلاقِ حسنہ

مشکل الفاظ کے معانی

مزاج مبارک	—	بابرکت طبیعت	—	نعمتوں	—	اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چیزوں
تکلف	—	ظاہر داری، بناوٹ	—	تن پروردی	—	بدن کو پالنا، آرام طلبی

تشریح:

زیر تشریح نثر پارے میں مصنف (سید سلیمان ندوی) رسول پاک ﷺ کی طبیعت کے طور طریقے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی طبیعت میں سادگی بہت تھی اور وہ ہر کام میں سادگی پسند کرتے تھے۔ اٹھنے بیٹھنے کا معاملہ ہوتا، کھانے پینے کا یا پھر لباس پہننے اور اوڑھنے کا، کسی چیز میں بھی آرام طلب نہ تھے اور نہ ہی آرام طلبی کو اپنے نزدیک آنے دیتے تھے۔

سید سلیمان ندوی آپ ﷺ کی عادات و اطوار کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی طبیعت میں

جماعتِ نبیہ

سادگی اس قدر زیادہ تھی کہ جو کچھ کھانے پینے کو سامنے آ جاتا، بغیر کسی ناگواری کا اظہار کیے خوش دلی کے ساتھ کھائی لیتے اور جو کچھ لباس پہننے کو مل جاتا خوشی خوشی پہن لیتے۔ اگر بیٹھنا ہوتا تو جہاں جگہ ملتی، وہیں بیٹھ جاتے اور یہ کبھی نہیں کہا تھا کہ میں تو صرف چٹائی پر یا پکے فرش پر بیٹھوں گا۔

مصنف آپ ﷺ کی سادگی کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ چیزوں کو جائز طریقے سے استعمال کرنے کی اجازت ضرور دی لیکن ان چیزوں سے نہ تو خود ناجائز فائدہ اٹھایا اور نہ ہی مسلمانوں کو ناجائز فائدہ اٹھانے کی اجازت دی۔ اگر کوئی مسلمان چیزوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتا تو آپ ﷺ اس کو ہرگز پسند نہ فرماتے۔

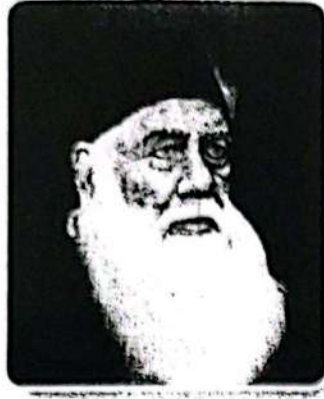
(۷) مندرجہ بالا نثر پارے کی تشریح کی روشنی میں درج ذیل نثر پارے کی تشریح کریں اور مصنف کا نام اور سبق کا عنوان بھی دیں۔ حضور ﷺ بڑے مہمان نواز تھے — سب مزدوروں کے ساتھ مل کر آپ ﷺ نے کام کیا۔

سرگرمیاں:

- طلبہ ہجرت مدینہ اور مواخات مدینہ کے موضوع پر اپنے خیالات کلاس میں پیش کریں۔
- ”آپ ﷺ کا بچوں کے ساتھ حسن سلوک“ پر ایک پیرا گراف لکھیں۔

امثال تدریس

- ۱۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ سوانح عمری اور سیرت نگاری میں کیا فرق ہے۔
- ۲۔ اساتذہ طلبہ کو سید سلیمان ندوی کے سوانحی حالات بیان کرتے ہوئے انھیں آگاہ کریں کہ مولانا شبلی نعمانی ”سیرت النبی“ کی جتنے جلدوں میں سے پہلی دو جلدوں کی تکمیل ہی کر پائے تھے کہ ناگہانی طور پر ان کا انتقال ہو گیا اور باقی ماندہ جلدیں ان کے شاگرد سید سلیمان ندوی نے ان کے فراہم کردہ مواد سے مکمل کیں۔
- ۳۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ سید سلیمان ندوی نے سیرت النبی کے موضوع پر ”رحمتہ عالم“ بچوں، خصوصاً طالب علموں کے لیے لکھی ہے۔
- ۴۔ اساتذہ طلبہ کو اعلانِ نبوت سے پہلے عربوں کے ناگفتہ بہ حالات و واقعات سے آگاہ کریں اور انھیں ”مسدس حالی“ پڑھنے کی ترغیب دیں۔
- ۵۔ اساتذہ طلبہ سے آپ ﷺ کے اخلاق و عادات کے حوالے سے ایک فہرست مرتب کرائیں جس میں آپ ﷺ کی کسی بھی عادت کا ایک بار سے زیادہ ذکر نہ ہو۔



سر سید احمد خاں

(۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء)

سر سید احمد خاں کی جائے ولادت دہلی ہے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنی والدہ سے حاصل کی جو خاصی تعلیم یافتہ اور روشن خیال تھیں۔ تعلیم پانے کے بعد پہلے مغلیہ دربار سے وابستہ ہوئے، بعد ازاں انگریزی عمل داری میں ملازمت اختیار کر لی اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر محکمہ انصاف میں ترقی کر کے صدر الصدور (منصف اعلیٰ) کے عہدے پر فائز ہوئے۔

سر سید احمد خاں کی زندگی کا اہم مشن ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد اُس وقت شروع ہوا جب کچھ زعماء کو مسلمانوں کے روبہ زوال ہونے کا شدت سے احساس ہوا۔ سر سید نے جنگِ آزادی کی ناکامی اور مسلمانوں کے زوال کے اسباب پر غور کیا تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ امتِ مسلمہ کے احیاء اور اس کی ترقی جدید تعلیمات کے حصول میں مضمر ہے اور جب تک مسلمان قوم جدید علوم و فنون خصوصاً سائنسی علوم میں مہارت حاصل نہ کرے گی، وہ ترقی نہیں کر سکتی، چنانچہ وہ اس مقصد کے حصول کے لیے پورے انہماک سے جادہ عمل پر گام زن ہو گئے۔ اس ضمن میں انھوں نے دوسرے اقدامات کے لیے علی گڑھ میں انگریزی طرز کے ایک سکول کی بنیاد رکھی جسے ۱۸۷۷ء میں کالج کا درجہ دے دیا گیا اور جو تھوڑے ہی عرصے میں برِ عظیم کے مسلمانوں کے لیے علوم و فنون کے احیاء کا مرکز قرار پایا۔

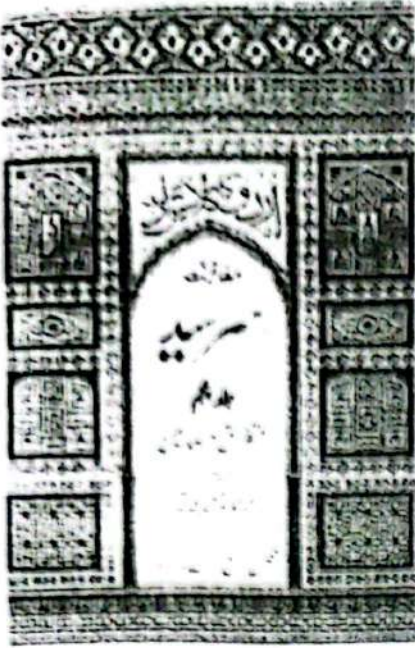
سر سید احمد خاں کے دوسرے اہم کارناموں میں ۱۸۷۰ء میں رسالہ ”تہذیب الاخلاق“ کا اجرا شامل ہے جس میں سر سید نے مسلمانوں کے اصلاح احوال اور تہذیب و ترقی کے لیے خود بھی اُن گنت مضامین لکھے اور اپنے ہم عصر انشا پردازوں کو بھی اس طرف راغب کیا۔ جب سر سید احمد خاں نے انتقال کیا تو قوم کسی حد تک اپنے خوابِ گراں سے جاگ چکی تھی۔

سر سید احمد خاں نہ صرف اُردو مضمون نویسی کے بانی ہیں بلکہ جدید اُردو نثر کے بیش تر رویوں کا آغاز بھی انھوں نے ہی کیا۔ ان کی تحریروں میں عقلیت، مقصدیت، استدلال اور سادگی کی تمام صفات موجود ہیں۔ ان کی تصانیف میں ”آثار الصنادید“ اور ”خطبات احمدیہ“ کے علاوہ وہ اُن گنت مضامین شامل ہیں جو ”مقالات سر سید“ کے عنوان سے سولہ جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ شامل کتاب سبق ”اپنی مدد آپ“ ”مقالات سر سید“ کی جلد پنجم میں سے ایک ہے جس کا مرکزی خیال یہ قول ہے: ”خدا اُن کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔“

اپنی مدد آپ

مقاصد تدریس:

- ۱۔ طلبہ کو اپنی مدد آپ کے جذبے سے آگاہ کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرنا۔
 - ۲۔ طلبہ کو اس مقولے کے الفاظ ”خدا ان کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں“ سے آگاہ کرنا اور اس حوالے سے قرآنی تعلیمات کا حوالہ دینا اور مولانا ظفر علی خاں کے اس شعر کی بنیاد پر سبق کی تفہیم کرنا:
- خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا
- ۳۔ طلبہ کو الف بائی ترتیب اور لغات کا استعمال، متلازم یا گروہی الفاظ، کسی سبق کا مرکزی خیال یا خلاصہ اور مضمون لکھنا سکھانا۔



”خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔“

یہ ایک نہایت عمدہ اور آزمودہ مقولہ ہے۔ اس چھوٹے سے فقرے میں انسانوں کا اور قوموں کا اور نسلوں کا تجربہ جمع ہے۔ ایک شخص میں اپنی مدد کرنے کا جوش اس کی پختی ترقی کی بنیاد ہے اور جب یہ جوش بہت سے شخصوں میں پایا جاوے تو وہ قومی ترقی اور قومی طاقت اور قومی مضبوطی کی جڑ ہے۔ جب کہ کسی شخص کے لیے یا کسی گروہ کے لیے کوئی دوسرا کچھ کرتا ہے تو اس شخص میں سے یا اس گروہ میں سے وہ جوش اپنی مدد آپ کرنے کا کم ہو جاتا ہے اور ضرورت اپنے آپ مدد کرنے کی اس کے دل سے مٹتی جاتی ہے اور اسی کے ساتھ غیرت، جو ایک نہایت عمدہ قوت انسان میں ہے اور اسی کے ساتھ عزت جو اصلی چمک دمک انسان کی ہے، از خود جاتی رہتی ہے اور جب کہ ایک قوم کی قوم کا یہ حال ہو تو وہ ساری قوم دوسری قوموں کی آنکھ میں ذلیل اور بے غیرت اور بے عزت ہو جاتی ہے۔ آدمی جس قدر کہ دوسرے پر بھروسے کرتے جاتے ہیں، خواہ اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کا بھروسا گورنمنٹ ہی پر کیوں نہ کریں، وہ اسی قدر بے مدد اور بے عزت ہوتے جاتے ہیں۔

یہ ایک نیچر کا قاعدہ ہے کہ جیسا مجموعہ قوم کی چال چلن کا ہوتا ہے یقینی اسی کے موافق اس کے قانون اور اسی کے مناسب حال گورنمنٹ ہوتی ہے۔ جس طرح کہ پانی خود اپنی پنسال میں آ جاتا ہے، اسی طرح عمدہ رعایا پر عمدہ حکومت ہوتی ہے اور جاہل و خراب و ناتر بیت یافتہ رعایا پر ویسی ہی اکھڑ حکومت کرنی پڑتی ہے۔ تمام تجربوں سے ثابت ہوا ہے کہ کسی ملک کی خوبی و عمدگی اور قدر و منزلت بہ نسبت وہاں کی گورنمنٹ کے عمدہ ہونے کے زیادہ تر اس ملک کی رعایا کے چال چلن، اخلاق و عادت، تہذیب و شائستگی پر منحصر ہے، کیونکہ قوم شخصی حالتوں کا مجموعہ ہے اور ایک قوم کی تہذیب درحقیقت ان مرد و عورت و بچوں کی شخصی ترقی ہے، جن سے وہ قوم بنی ہے۔

جماعت نہم



قومی ترقی مجموعہ ہے شخصی محنت، شخصی عزت، شخصی ایمان داری، شخصی ہمدردی کا۔ اسی طرح قومی تنزل مجموعہ ہے شخصی سستی، شخصی بے عزتی، شخصی بے ایمانی، شخصی خود غرضی کا اور شخصی برائیوں کا۔ ناتہذیبی و بد چلنی جو اخلاقی و تمدنی یا باہمی معاشرت کی بدیوں میں شمار ہوتی ہے، درحقیقت وہ خود اسی شخص کی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ بیرونی کوشش سے ان برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالیں اور نیست و نابود کر دیں تو یہ برائیاں کسی اور نئی صورت میں اس سے بھی زیادہ زور شور سے پیدا ہو جاویں گی۔ جب تک شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کی حالتوں کو ترقی نہ کی جاوے۔

اے میرے عزیز ہم وطنو! اگر یہ رائے صحیح ہے تو اس کا یہ نتیجہ ہے کہ قوم کی سچی ہمدردی اور سچی خیر خواہی کرو۔ غور کرو کہ تمہاری قوم کی شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کس طرح پر عمدہ ہو، تاکہ تم بھی ایک معزز قوم ہو۔ کیا جو طریقہ تعلیم و تربیت کا، بات بات چیت کا، وضع و لباس کا، سیر سپاٹے کا، شغل و اشغال کا، تمہاری اولاد کے لیے، اس سے ان کے شخصی چال چلن، اخلاق و عادات، نیکی و سچائی میں ترقی ہو سکتی ہے؟ حاشا و کلا۔ جب کہ ہر شخص اور کل قوم خود اپنی اندرونی حالتوں سے آپ اپنی اصلاح کر سکتی ہے تو اس بات کی امید پر بیٹھے رہنا کہ بیرونی زور انسان کی یا قوم کی اصلاح و ترقی کرے کس قدر افسوس بلکہ نادانی کی بات ہے۔

وہ شخص درحقیقت غلام نہیں ہے جس کو ایک خدا ناترس نے جو اس کا ظالم آقا کہلایا جاتا ہے خرید لیا ہے، یا ایک ظالم اور خود مختار بادشاہ یا گورنمنٹ کی رعیت ہے بلکہ درحقیقت وہ شخص اصلی غلام ہے جو بد اخلاقی، خود غرضی، جہالت اور شرارت کا مطیع اور اپنی خود غرضی کی غلامی میں مبتلا اور قومی ہمدردی سے بے پروا ہے۔ وہ قومیں جو اس طرح دل میں غلام ہیں وہ بیرونی زوروں سے، یعنی عمدہ گورنمنٹ یا عمدہ قومی انتظام سے آزاد نہیں ہو سکتیں جب تک کہ غلامی کی یہ دلی حالت دور نہ ہو۔ اصل یہ ہے کہ جب تک انسانوں میں یہ خیال ہے کہ ہماری اصلاح و ترقی گورنمنٹ پر یا قوم کے عمدہ انتظام پر منحصر ہے، اُس وقت تک کوئی مستقل اور برتاؤ میں آنے کے قابل نتیجہ اصلاح و ترقی کا قوم میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ گو کیسی ہی عمدہ تبدیلیاں گورنمنٹ یا انتظام میں کی جاویں، وہ تبدیلیاں فانوس خیال سے کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتیں جس میں طرح طرح کی تصویریں پھرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، مگر جب دیکھو تو کچھ بھی نہیں۔

انسان کی قومی ترقی کی نسبت ہم لوگوں کے یہ خیال ہیں کہ کوئی خطر طے، گورنمنٹ فیاض ہو اور ہمارے سب کام کر دے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر چیز ہمارے لیے کی جاوے اور ہم خود نہ کریں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اس کو ہادی اور رہنما بنایا جاوے تو تمام قوم کی دلی آنا دلی کو برباد کر دے اور آدمیوں کو انسان پرست بنادے۔ حقیقت میں ایسا ہونا قوت کی پرستش ہے اور اس کے نتائج انسان کو ایسا ہی حقیر بنادیتے ہیں، جیسے کہ صرف دولت کی پرستش سے انسان حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔

بڑا سچا مسئلہ اور نہایت مضبوط جس سے دنیا کی معزز قوموں نے عزت پائی ہے وہ اپنی مدد آپ کرنا ہے۔ جس وقت لوگ اس کو اچھی طرح سمجھیں گے اور کام میں لا دیں گے تو پھر خضر کو ڈھونڈنا بھول جاویں گے۔ اور وہ پر بھروسے اور اپنی مدد آپ یہ دونوں اصول ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں۔ پچھلا انسان کی بدیوں کو برباد کرتا ہے اور پہلا خود انسان کو۔

انسان کی اگلی پشتوں کے حالات پر خیال کرنے سے حلوں ہوتا ہے کہ انسان کی موجودہ حالت انسانوں کے نسل در نسل کے کاموں سے حاصل ہوئی ہے۔ محنتی اور مستقل مزاجی محنت کرنے والوں، زمین کے جوتے والوں، کانوں کے کھودنے والوں، نئی نئی باتوں کے ایجاد کرنے والوں، محنتی باتوں کو ڈھونڈ کر نکالنے والوں، آلاتِ تجربہ و ثقل سے کام لینے والوں اور ہر قسم کے پیشہ کرنے والوں، ہنرمندوں، شاعروں، حکیموں، فیلسوفوں، ملکی منتظموں نے انسان کو موجودہ ترقی کی حالت پر پہنچانے میں بڑی مدد دی ہے۔ ایک نسل نے دوسری نسل کی محنت پر عمارت بنائی ہے اور اس کو ایک اعلیٰ درجے پر پہنچایا ہے۔ ان عمدہ کاریگروں سے جو تہذیب و شائستگی کی عمارت کے معیار ہیں، لگاتار ایک دوسرے کے بعد ہونے سے محنت اور علم و ہنر میں جو ایک بے ترتیبی کی حالت میں تھی، ایک ترتیب پیدا ہوئی ہے۔

رفتہ رفتہ نیچر کی گردش نے موجودہ نسل کو اس زر خیز اور بے بہا جائیداد کا وارث کیا ہے جو ہمارے پُرکھوں کی ہوشیاری اور محنت سے مہیا ہوئی تھی اور وہ جائیداد ہم کو اس لیے نہیں دی گئی ہے کہ ہم صرف مثلِ مارِ سرگنج اس کی حفاظت ہی کیا کریں، بلکہ ہم کو اس لیے دی گئی ہے کہ اس کو ترقی دیں اور ترقی یافتہ حالت میں آئندہ نسلوں کے لیے چھوڑ جاویں، مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ ہماری قوم نے ان پُرکھوں کی چھوڑی ہوئی جائیداد کو بھی گرا دیا۔

ایک نہایت عاجز و مسکین غریب آدمی جو اپنے ساتھیوں کو محنت اور پرہیزگاری اور بے لگاؤ ایمان داری کی نظیر دکھاتا ہے، اس شخص کا اس کے زمانے میں اور آئندہ زمانے میں اس کے ملک، اس کی قوم کی بھلائی پر بہت بڑا اثر پیدا ہوتا ہے کیوں کہ اس کی زندگی کا طریقہ اور چال چلن کو معلوم نہیں ہوتا، مگر اور شخصوں کی زندگی میں خفیہ خفیہ پھیل جاتا ہے اور آئندہ کی نسل کے لیے ایک عمدہ نظیر بن جاتا ہے۔

ہر روز کے تجربے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شخصی چال چلن ہی میں یہ قوت ہے کہ دوسرے کی زندگی اور برتاؤ اور چال چلن پر نہایت قوی اثر پیدا کرتا ہے اور حقیقت میں یہی ایک نہایت عمدہ عملی تعلیم ہے۔ یہ پچھلا علم وہ علم ہے، جو انسان کو انسان بناتا ہے۔ اسی پچھلے علم سے عمل، چال چلن، تعلیم نفسی، نفس کشی، شخصی خوبی، قومی مضبوطی، قومی عزت حاصل ہوتی ہے۔ یہی پچھلا علم وہ علم ہے کہ جو انسان کو اپنے فرائض ادا کرنے اور دوسروں کے حقوق محفوظ رکھنے اور زندگی کے کاروبار کرنے اور اپنی عاقبت کے سنوارنے کے لائق بنادیتا ہے۔ اس تعلیم کو آدمی صرف کتابوں سے نہیں سیکھ سکتا اور نہ یہ تعلیم کسی درجے کی علمی تحصیل سے ہوتی ہے اور مشاہدہ آدمی کی زندگی کو درست اور اس کے علم کو باعمل، یعنی اس کے برتاؤ میں کر دیتا ہے۔ علم کے بہ نسبت عمل اور سوانح عمری کی بہ نسبت عمدہ چال چلن آدمی کو زیادہ تر معزز اور قابلِ ادب بناتا ہے۔

(مقالاتِ سرسید، جلد پنجم)





(۱) سبق ”اپنی مدد آپ“ کے متن کے حوالے سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

(i) ”خدا ان کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں۔“ یہ ایک نہایت آزمودہ ہے:

(الف) ترکیب (ب) مقولہ (ج) محاورہ (د) ضرب المثَل

(ii) ایک شخص میں اپنی مدد آپ کرنے کا جوش ہے اُس کی:

(الف) تنزیل کی بنیاد (ب) شہرت کی بنیاد (ج) عزت کی بنیاد (د) ترقی کی بنیاد

(iii) جیسا مجموعہ قوم کی چال چلن کا ہوتا ہے یقینی اس کے قانون اور مناسب حال گورنمنٹ ہوتی ہے۔ یہ ایک قاعدہ ہے:

(الف) ہر ملک کا (ب) ہر قوم کا (ج) ہر معاشرے کا (د) نیچر کا

(iv) انسان کی قومی ترقی کی نسبت ہم لوگوں کا خیال ہے کہ ملے کوئی:

(الف) خضر (ب) سخی (ج) حکمران (د) وزیر باتدبیر

(v) ”ادروں پر بھروسہ“ اور ”اپنی مدد آپ“ یہ دونوں اصول ایک دوسرے سے ہیں:

(الف) بالکل مخالف (ب) بالکل موافق (ج) قطعاً حسب حال (د) بالکل ہم دار

(۲) سبق ”اپنی مدد آپ“ کے متن کے مطابق سوالوں کے جواب لکھیں۔

(الف) وہ کون سا آزمودہ مقولہ ہے جس میں انسانوں کا اور قوموں کا تجربہ جمع ہے؟

(ب) سرسید احمد خاں کے خیال میں کون سی قوم ذلیل و بے عزت ہو جاتی ہے؟

(ج) نیچر کا قاعدہ کیا ہے؟

(د) بیرونی کوششوں سے برائیوں کو ختم کرنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

(ه) دنیا کی معزز قوموں نے کس خوبی کی بنا پر عزت پائی ہے؟

(۳) سبق ”اپنی مدد آپ“ کے متن کو مد نظر رکھتے ہوئے جملے مکمل کریں۔

(الف) خدا ان کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی _____ کرتے ہیں۔

(ب) جس طرح کہ پانی خود اپنی _____ میں آ جاتا ہے۔

(ج) قوم شخصی _____ کا مجموعہ ہے۔

قوم کی بچی ہمدردی اور بچی _____ کرد۔
(۴) ہم لوگوں کے یہ خیال ہیں کہ کوئی _____ ملے۔

الف بائی ترتیب اور لغات کا استعمال

اگر الفاظ کو اس ترتیب سے لکھا جائے کہ حروفِ تہجی کی ترتیب میں آنے والے حروف سے شروع ہونے والے الفاظ پہلے اور بعد میں آنے والے حروف سے شروع ہونے والے الفاظ بعد میں لکھے جائیں تو الفاظ کی ایسی ترتیب کو ”حروفِ تہجی“ یا ”الف بائی ترتیب“ کہتے ہیں۔ اردو، انگریزی اور دیگر تمام زبانوں کی لغات میں الفاظ کو اسی ترتیب سے لکھا جاتا ہے۔ اس طرح لفظوں کی تلاش اور انھیں مرتب کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

۴ الف بائی ترتیب کے تصور کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل الفاظ کو الف بائی ترتیب سے لکھیں۔

تجربہ	نچر	تہذیب	پڑکھوں	فیاض	پرستش
آزمودہ	پنسال	خیر خواہی	خضر	معمار	آئندہ

متلازم یا گروہی الفاظ

کچھ الفاظ اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد ہو جاتے ہیں اور جب ہم ان الفاظ کو اپنی زبان پر لاتے ہیں تو ان سے متعلق یا منسلک بہت سے دیگر الفاظ ذہن میں آ جاتے ہیں۔ ایسے الفاظ کو متلازم یا گروہی الفاظ کہتے ہیں، مثلاً: چڑیا گھر کا لفظ ذہن میں آتے ہی بہت سارے جانور ہمارے تصور میں آ جاتے ہیں۔ اسی طرح کسی درخت کا خیال آتے ہی اس کی شاخیں، پتے، پھول، تناور جڑ وغیرہ کا خیال ذہن میں آ جاتا ہے۔

(۵) ذیل میں کچھ ایسے ہی متلازم یا گروہی الفاظ دیے جا رہے ہیں۔ آپ ان سے متعلق یعنی ان کی رعایت کے کم از کم چار الفاظ سوچ کر لکھیں۔

- (الف) چمن: _____
- (ب) گھر: _____
- (ج) مدرسہ: _____
- (د) دفتر: _____
- (ه) سمندر: _____
- (و) دین: _____

سرگرمیاں:

- کلاس کا ایک طالب علم سکول لا بھری یا کہیں اور سے مقالات سرسید کی جلد پنجم حاصل کرے اور اس میں سے ایک اور مضمون ”آزادی دے“ پڑھ کر اپنے ساتھیوں کو سنائے۔
- کلاس کے تمام طالب علم مولانا ظفر علی خاں کے اس شعر کو:

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا
چارٹ کی صورت میں لکھیں جس کا چارٹ اوّل آئے، اُسے جماعت کے کمرے میں آویزاں کیا جائے۔

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن دُرست
اللہ آبرو سے رکھے اور تن دُرست

نظیر اکبر آبادی کے اس شعر کے مفہوم کے مد نظر ”صحت و صفائی“ یا ”تن درستی ہزار نعمت ہے“ کے موضوع پر ایک مضمون لکھیں اور اس مضمون کو جماعت میں سنائیں۔

اشاراتِ تدریس

- ۱۔ اساتذہ طلبہ کو مقولہ ”خدا اُن کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں“ کی وضاحت کریں اور طلبہ کو اس ضمن میں قرآنی تعلیمات سے بھی آگاہ کریں۔
- ۲۔ اساتذہ طلبہ سے ”اپنی مدد آپ“ کے اصول کے پیش نظر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کی تشریح کروائیں:
افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے قِلت کے مقدر کا ستارہ
- ۳۔ اساتذہ ”پاکستان کی معاشی پس ماندگی کے اسباب“ میں سے چند اسباب طالب علموں کے گوش گزار کریں۔





ڈپٹی نذیر احمد

(۱۸۳۶ء - ۱۹۱۲ء)

مولوی نذیر احمد، جن کو ادبی دنیا میں ڈپٹی نذیر احمد کہا جاتا ہے، ضلع بجنور (یوپی، انڈیا) کے ایک چھوٹے سے گاؤں ”ریڑھ“ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر ہی میں اپنے والد سے، جو گاؤں میں بچوں کو پڑھایا کرتے تھے، حاصل کی اور پھر دہلی جا کر دہلی کالج میں داخلہ لے لیا اور اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

ڈپٹی نذیر احمد بچپن ہی سے ڈپٹی کلکٹر بننے کا، جو اس زمانے میں بہت ترقی یافتہ عہدہ خیال کیا جاتا تھا، خواب دیکھتے تھے، جو ایک روز پورا بھی ہو گیا۔ انھوں نے اس مقام و مرتبہ کو پانے کے لیے سخت محنت کی اور زمانے کے بڑے نشیب و فراز دیکھے۔ انھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو بھی بہت قریب سے دیکھا تھا کیوں کہ ان دنوں آپ دہلی میں مقیم تھے۔ آپ سر سید احمد خاں کے افکار سے بہت متاثر تھے اس لیے ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمان اشراف گھرانوں کی تعلیمی حالت کو سدھارنے کے لیے لکھنے لکھانے کا کام کیا اور اپنی کوششوں میں کسی حد تک کامیاب رہے۔

ڈپٹی نذیر احمد ناول پڑھنے کے بے حد شائق تھے مگر ان کے سامنے اُردو میں ناول کا کوئی نمونہ موجود نہ تھا، البتہ انھوں نے اپنے طور پر کوشش کی اور اُردو ناول نگاری کے میدان میں پہلا قدم رکھا۔ وہ چوں کہ ایک معاملہ فہم، زیرک اور زبان و بیان پر قدرت رکھنے والے زبردست آدمی تھے اس لیے انھوں نے انھی خوبیوں کی بدولت اُردو ناول نگاری کی داغ بیل ڈالی۔ انھوں نے متعدد اصلاحی ناول لکھے جن میں ”مرآة العروس“، ”بنات النعش“، ”توبۃ النصوح“، ”فسانہ مبتلا“، ”امین الوقت“، ”رویائے صادقہ“ اور ”تبیانی“ شامل ہیں جو تمام کے تمام اصلاحی ناول ہیں۔ جن کے کرداروں کے ذریعے خاص طور پر اچھائی یا برائی کا فرق اور مسلمان اشراف گھرانوں کی عورتوں کی گھریلو زندگی کی عکس بندی اور ان کی اصلاح کی کوشش کی گئی ہے۔

شامل کتاب اقتباس ”کلیم اور مرنا ظاہر داریگ“ ان کے ناول ”توبۃ النصوح“ سے مستعار ہے۔ ناول کے اس حصے میں خاندان کے سربراہ نصوح کے بڑے بیٹے کلیم کا ذکر ہے جو اپنے وقت کا معروف شاعر ہے مگر اپنے حال میں مست رہتا تھا اور تمسخر کے انداز میں اس کے دوست: مرنا ظاہر داریگ کا بیان ہے جس کا ظاہر اُس کے باطن سے قطعی مختلف تھا۔



سے ایک

پیر
مر

رو پر ایک

سے

سے

او

ت

ط

والہ

جز

کے

کے

کے

کے

کے

کے

جماعت نہم

نہم

جماعت نہم

کلیم اور مرزا ظاہر دار بیگ



مقاصد تدریس:

- ۱۔ طلبہ کو اردو ناول نگاری کی ابتدائی صورت حال سے آگاہ کرنا۔
- ۲۔ طلبہ کو ڈپٹی نذیر احمد کے سوانحی حالات سے آگاہ کرتے ہوئے یہ بتانا کہ ان کا شمار اردو کے پہلے ناول نگار کے طور پر کیا جاتا ہے۔
- ۳۔ طلبہ کو ڈپٹی نذیر احمد کے زمانے کی معاشرت سے آگاہ کرنا اور انھیں یہ بتانا کہ انھوں نے اپنے تمام ناول اصلاح معاشرہ کے مقصد کے تحت لکھے تھے۔
- ۴۔ طلبہ کو ناول "توبۃ النصوح" کے کرداروں کی مثال دے کر بتانا کہ ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں کے تمام کردار اسم باکشی ہیں یعنی جیسا نام دیا گیا۔
- ۵۔ طلبہ کو روز مرہ اور محاورہ کی تعریف بتانا اور ان پر واضح کرنا کہ روز مرہ اور محاورہ کے حوالے سے ڈپٹی نذیر احمد کی زبان سند کی حیثیت رکھتی ہے۔

(یہ اقتباس ڈپٹی نذیر احمد کے ناول "توبۃ النصوح" سے لیا گیا ہے۔ ناول کا موضوع اولاد کی تربیت میں والدین کی ذمہ داریاں ہیں۔ نصوح پیٹے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دوا کے اثر سے وہ گہری نیند سو جاتا ہے۔ اسی حالت میں وہ ایک خواب دیکھتا ہے کہ ایک بہت بڑی عمارت میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد جمع ہے، ان کا حساب کتاب ہو رہا ہے۔ ان کی بد اعمالیوں پر ان سے پوچھ گچھ ہو رہی ہے۔ اولاد کی تربیت سے غفلت بھی گناہ سمجھی جاتی ہے۔ ایک طویل خواب کے بعد نصوح جاگتا ہے اور اپنی زندگی پر غور کرنے لگتا ہے۔ اسے اپنی کوتاہیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ بقیہ زندگی میں وہ اپنی اور گھر والوں کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ پہلے اپنی بیوی فہمیدہ کو اپنا ہم خیال بناتا ہے۔ پھر بچوں کی اصلاح پر توجہ دیتا ہے۔ چھوٹی اولاد کی اصلاح تو ہو جاتی ہے۔ بڑی اولاد کے سلسلے میں اسے کامیابی نہیں ہوتی۔ کلیم نصوح کا بڑا بیٹا ہے جس میں بہت سی برائیاں موجود ہیں۔ باپ اسے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وہ ایک دن گھر چھوڑ کر اپنے دوست مرزا ظاہر دار بیگ کے ہاں آٹھ آتا ہے۔ مرزا کے پلے کچھ نہیں ہوتا لیکن وہ اپنے آپ کو بڑا صاحب جانیاد ظاہر کرتا ہے۔ دونوں کی ملاقات ہی ناول کے اس حصے میں بیان کی گئی ہے۔)

بار بار پکارنے کنڈی کھڑ کھڑانے سے دو لونڈیاں چراغ لیے ہوئے اندر سے نکلیں اور اُن میں سے ایک نے پوچھا:

"کون صاحب ہیں؟ اور اتنی رات گئے کیا کام ہے؟"

کلیم: جاؤ مرزا کو بھیج دو۔

لونڈی: کون مرزا؟

کلیم: مرزا ظاہر دار بیگ، جن کا مکان ہے، اور کون مرزا!

لوٹو: یہاں کوئی ظاہر داریگ نہیں ہے۔

اتنا کہ کر قریب تھا کہ لوٹو پھر کو اڑ بند کر لے کہ کلیم نے کہا:
کیوں جی! کیا یہ جمعدار صاحب کی محل سرا نہیں ہے؟

لوٹو: ہے کیوں نہیں؟

کلیم: پھر تم نے یہ کیا کہا کہ یہاں کوئی ظاہر داریگ نہیں۔ کیا ظاہر داریگ جمعدار کے وارث اور جانشین نہیں ہیں؟

لوٹو: جمعدار کے وارثوں کو خدا سلامت رکھے۔ مگر ظاہر داریگ جمعدار کا وارث بننے والا کون ہوتا ہے؟

دوسری لوٹو: اری کم بخت! یہ کہیں مرنا بانگے کے بیٹے کو نہ پوچھتے ہوں۔ وہ ہر جگہ اپنے تئیں جمعدار کا بیٹا بتاتا کرتا ہے (کلیم سے مخاطب ہو کر) کیوں میاں! وہی ظاہر داریگ ناں جن کی رنگت زرد زرد ہے۔ آنکھیں کرنجی، چھوٹا قد، دبلا ڈیل۔ اپنے تئیں بہت بنائے سنوارے رہا کرتے ہیں۔

کلیم: ہاں ہاں وہی ظاہر داریگ۔

لوٹو: تو میاں اس مکان کے پچھواڑے اُپلوں کی ٹال کے برابر ایک چھوٹا سا کچا مکان ہے، وہ اس میں رہتے ہیں۔
کلیم نے وہاں جا کر آواز دی تو کچھ دیر بعد مرنا صاحب ننگ دھڑنگ جا نکلیا پہنے ہوئے باہر تشریف لائے اور کلیم کو دیکھ کر شرمائے اور بولے:

آہا! آپ ہیں۔ معاف کیجیے گا میں سمجھا کوئی اور صاحب ہیں۔ بندے کو کپڑے پہن کر سونے کی عادت نہیں۔ میں ذرا کپڑے پہن آؤں تو آپ کے ہم رکاب چلوں۔

کلیم: چلیے گا کہاں؟ میں تو آپ کے پاس آیا تھا۔

مرزا: پھر اگر کچھ دیر تشریف رکھنا منظور ہو تو میں اندر پردہ کرادوں؟

کلیم: میں آج شب کو آپ ہی کے ہاں رہنے کی نیت سے آیا ہوں۔

مرزا: بسم اللہ، تو چلیے اسی مسجد میں تشریف رکھیے۔ بڑی فضا کی جگہ ہے۔ میں ابھی آیا۔

کلیم نے جو مسجد میں آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ نہایت پرانی چھوٹی سی مسجد ہے، مسجد ضرار کی طرح ویران وحشت ناک۔ نہ کوئی حافظ ہے، نہ طالب علم، نہ مسافر۔ ہزار ہا چکاڑیں اس میں رہتی ہیں کہ ان کی تسبیح بے ہنگام سے کان کے پردے پھٹے جاتے ہیں۔ فرش پر اس قدر بیٹ پڑی ہے کہ بجائے خود کھڑے کافر شبنم بن گیا ہے۔ مرنا کے انتظار میں چاروناچار اسی مسجد میں ٹھہرنا پڑا۔ مرنا آئے بھی تو اتنی دیر کے بعد کہ کلیم مایوس ہو چکا تھا۔ قبل اس کے کہ کلیم شکایت کرے مرنا صاحب بطور دفع دخل مقتدر فرمانے لگے کہ بندے کے گھر میں کئی دن سے طبیعت علیل ہے۔ خفقان کا عارضہ، اختلاج قلب کا روگ ہے۔ اب جو میں آپ کے پاس سے گیا تو

ان کو غشی میں پایا۔ اس وجہ سے وہ سوئی۔ پہلے تو یہ فرمایا کہ اس وقت بندہ نوازی فرمانے کی کیا وجہ ہے؟

کلم نے باپ کی طلب، اپنا انداز، بھائی کی التجا میں کما صرار، تمام ماجرا کہ سنایا۔

پھر اب کیا ارادہ ہے؟

سوائے اس کے کہ اب گھر لوٹ کر جانے کا ارادہ نہیں ہے اور جو آپ کی صلاح ہو۔

خیر، نیتِ شبِ حرام، منج تو ہو۔ آپ بے تکلف استراحت فرمائیے۔ میں جا کر بچھونا وغیرہ بھیجے دیتا ہوں اور مجھ کو مریضہ کی حصار داری کے لیے اجازت دیجیے کہ آج اس کی علالت میں اشتداد ہے۔

یہ کیا ماجرا ہے؟ تم نوکھا کرتے تھے کہ ہمارے یہاں دوہری نخل سرائیں، متحدہ دیوان خانے، لکھی پائیں باغ ہیں۔ حوض اور حمام اور کٹرے اور گنج اور دکانیں اور سرائیں، میں تو جانتا ہوں کہ عمارت کی قسم کی کوئی چیز ایسی نہ ہوگی جس کو تم نے اپنی ملک نہ بتایا ہو، یا یہ حال ہے کہ ایک متفسس کے واسطے ایک شب کے لیے تم کو جگہ میسر نہیں۔ جو جو حالات تم نے اپنی زبان سے بیان کیے، ان سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ جمعدار کے تمام تر کے پر تم قابض اور مختصر ہو لیکن میں اس جاوہ حشمت کا ایک شترہ بھی نہیں دیکھتا۔

آپ کو میری نسبت سخن سازی کا احتمال ہونا سخت تعجب کی بات ہے۔ اتنی مدت مجھ سے آپ سے صحبت رہی، مگر افسوس ہے کہ آپ نے میری طبیعت اور میری عادت کو نہ پہچانا۔ یہ اختلافِ حالت جو آپ دیکھتے ہیں، اس کی ایک وجہ ہے۔ بندے کو جمعدار صاحب مرحوم و مغفور نے متنبی کیا تھا اور اپنا جان نشین کر مرے تھے۔ شہر کے گل رو سا اس سے واقف اور آگاہ ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد لوگوں نے اس میں رخنہ اندازیاں کیں۔ بندے کو آپ جانتے ہیں کہ بکھڑے سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔ صحبتِ ناملائم دیکھ کر کنارہ کش ہو گیا۔ لیکن کسی کو انتظام کا سلیقہ، بندوبست کا حوصلہ نہیں۔ اسی روز سے اندر باہر وادیا مچی ہوئی ہے اور اس بات کے مشورے ہو رہے ہیں کہ بندے کو منالے جائیں۔ لیکن آپ نے اس کا تذکرہ کبھی نہیں کیا۔

اگر نہیں آپ سے یا کسی سے تذکرہ کرتا تو استقلالِ مزاج سے بے بہرہ اور غیرت و حمیت سے بے نصیب ٹھہرتا۔ اب آپ کو کھڑے رہنے میں تکلیف ہوتی ہے، اجازت دیجیے کہ میں جا کر بچھونا بھجوادوں اور مریضہ کی حصار داری کروں۔ خیر، مقامِ مجبوری ہے لیکن پہلے ایک چراغ تو بھیج دیجیے، تاریکی کی وجہ سے طبیعت اور بھی گھبراتی ہے۔

چراغ کیا میں نے تو لیمپ روشن کرانے کا ارادہ کیا تھا لیکن گرمی کے دن ہیں، پرواہ نے بہت جمع ہو جائیں گے اور آپ زیادہ پریشان ہو جائے گا اور اس مکان میں ابابیلوں کی کثرت ہے، روشنی دیکھ کر گرنے شروع ہو جائیں گے اور آپ کا بیضاد شوار کر دیں گے۔ تھوڑی دیر صبر کیجیے کہ ماہتاب نکلا آتا ہے۔

کلیم جب گھر سے نکلا تو کھانا تیار تھا لیکن وہ اس قدر طیش میں تھا کہ اس نے کھانے کی مطلق پروا نہ کی اور بے کھائے نکل کھڑا ہوا۔ مرنا سے ملنے کے بعد وہ منتظر تھا کہ آخر مرنا خود پوچھیں گے ہی تو کہہ دوں گا۔ مرنا کو ہر چند کھانے کی نسبت پوچھنا ضرور تھا، کیوں کہ اوّل تو کچھ ایسی رات زیادہ نہیں گئی تھی، دوسرے یہ اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ کلیم گھر سے لڑ کر نکلا ہے، تیسرے دونوں میں بے تکلفی غایت درجے کی تھی لیکن مرنا قصد اس بات سے متعرض نہ ہوا اور کلیم بے چارے کا بھوک کے مارے یہ حال کہ مسجد میں آنے سے پہلے اس کی انتڑیوں نے قلن ہوا اللہ پڑھنی شروع کر دی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ مرنا کسی طرح اس پہلو پر نہیں آتا اور عن قریب تمام شب کے واسطے رخصت ہوا چاہتا ہے، تو بے چارے نے بے غیرت بن کر خود ہی کہہ دیا کہ سندیار، میں نے کھانا بھی نہیں کھایا۔

مرزا: سچ کہو! نہیں جھوٹ، بہکاتے ہو۔

کلیم: تمہارے سر کی قسم، میں بھوکا ہوں۔

مرزا: تو مردِ خدا، آتے ہی کیوں نہ کہا؟ اب اتنی رات گئے کیا ہو سکتا ہے۔ ڈکانیں سب بند ہو گئیں اور جو دوا ایک کھلی بھی ہیں تو باسی چیزیں رہ گئی ہوں گی، جس کے کھانے سے فاقہ بہتر ہے۔ گھر میں آج آگ تک نہیں سلگی۔ مگر ظاہر اتم سے بھوک کی سہارا ہونی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ دیوا اشتہا کو زیر کرنا بڑی ہمت والوں کا کام ہے۔ ایک تدبیر سمجھ میں آتی ہے کہ جاؤں جھڈا می بھڑ بھونجے کے یہاں سے گرم گرم خستہ چنے کی دال بنوالاؤں۔ بس ایک دھیلے کی مجھ کو، تم کو دونوں کو کافی ہوگی، رات کا وقت ہے۔

ابھی کلیم کچھ کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ مرنا جلدی سے اٹھ باہر گئے اور چشمِ زدن میں چنے بھنوالائے۔ مگر دھیلے کا کہہ کر گئے تھے، یا تو کم کے لائے یا ناہ میں دو چار پھٹکے لگا لیے، اس واسطے کہ کلیم کے روبرو دو تین منٹھی چنے سے زیادہ نہ تھے۔ یار، ہو تم بڑے خوش قسمت کہ اس وقت بھاڑ مل گیا۔ ذرا، واللہ ہاتھ تو لگاؤ، دیکھو تو کیسے ٹھلس رہے ہیں اور سوندھی سوندھی خوش بو بھی عجب ہی دل فریب ہے کہ بس بیان نہیں ہو سکتا۔ تعجب ہے کہ لوگوں نے خس اور مٹی کا عطر نکالا مگر بھنے ہوئے چنوں کی طرف کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوا۔ کوئی فن ہو، کمال بھی کیا چیز ہے۔ دیکھیے، اتنی تو رات گئی ہے مگر جھڈا می کی دکان پر بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ بندے نے بہ تحقیق سنا ہے کہ حضور والا کے خاصے میں جھڈا می کی دکان کا چنابلا ناغہ لگ کر جاتا ہے۔ اور واقعی میں آپ ذرا غور سے دیکھیے، کیا کمال کرتا ہے کہ بھوننے میں چنوں کو سڈول بنا دیتا ہے۔ بھئی! تمہیں میرے سر کی قسم سچ کہنا، ایسے خوب صورت، خوش قطع، سڈول چنے تم نے پہلے بھی کبھی دیکھے تھے؟ دال بنانے میں اس کو یہ کمال حاصل ہے کہ کسی دانے پر خراش تک نہیں، ٹوٹنے پھوٹنے کا کیا مذکور اور دانوں کی رنگت دیکھیے۔ کوئی بسنتی ہے، کوئی پستی غرض دونوں رنگ خوش نما۔ یوں تو صد ہا قسم کے غلے اور پھل زمین سے اگتے ہیں لیکن چنے کی لذت کو کوئی نہیں پاتا۔

ض، مرنا نے اپنی چرب زبانی سے چنوں کو گھٹی کی قلمی آلہ بنا کر اپنے دوست کلیم کو کھلایا۔ کلیم بھوکا تو تھا ہی، اس کو بھی ہمیشہ

بادہ مزے دار معطوم ہوئے۔

ٲڪلا ٿو۔ مرنا نه گهر جا ڪر اڪي ميل ڊري اور اڪي ڪٺيف سانگي بهنج ديا۔ دوي گهري ميں ڪليم كي حالت كا اس قدر متغير هو نا عبرت كا

مذہب : یہ بات ظہورِ خدا کا عشرتِ شریعت میں قیام ہے ایک مسجد میں اگر پڑھا مسجد بھی ایسی جس کا تھوڑا سا حال ہم نے اپنے بیان

تیسرا۔ انا بنی نعت کو لات مار کر رکھا تھا تو پہلے ہی وقت پہنچے چبانے پرے۔ نہ چراغ نہ چارپائی، نہ بھین نہ بھائی، نہ موس نہ تم حواریں۔

دکنہ خدمت بگڑ۔ مہر میں اکلاں اور بیٹا تھا جسے تیر سال کی عمر میں ایک گھمبیر اور ناقص شاعر بن کر تیار کیا۔ کوئی نو انوس حالت

پر نظر کر کے تعبیر پکڑنا، اپنی حرکت سے توبہ اور اپنے افعال سے استغفار کرنا، اور اسی وقت نہیں تو سویرے گجر دم باپ کے ساتھ نماز

صبح میں جا شریک ہوتا۔ لیکن کلیم کو اور بہت سے مضمون سوچنے کو تھے۔

صبح ہوتے آنکھ لگ گئی، تو معلوم نہیں مرزا یا محلے کا کوئی اور عیار، ٹوپی، جوتی، رومال، چھڑی، تکیہ، درمی، یعنی جو چیز کلیم کے بدن

سے منفک اور اس کے جسم سے جدا تھی، لے کر چمپت ہوا۔ یوں بھی کلیم بہت دیر کو سو کے اٹھتا تھا اور آج تو ایک وجہ خاص تھی۔ کوئی

پھر سواپہر دن چڑھے جاگا تو دیکھتا کیا ہے کہ فرشِ مسجد پر پڑا ہے اور نیند کی حالت میں جو کر دیں لی ہیں تو سیروں گرد کا بھجھوت اور

چمکاوڑوں کی سیٹ کا شہاد بدن پر تھپا ہوا ہے۔ حیران ہوا کہ قلبِ باہیت ہو کر میں کہیں بھٹنا تو نہیں بن گیا۔ مرنا کو ادھر دیکھا ادھر دیکھا،

کہیں بتائیں۔ مسجد تھی ویران، اس میں پانی کہاں۔ صبر کر کے بیٹھ رہا کہ کوئی اللہ کا بندہ ادھر کو آنکے تو اس کے ہاتھ مرنا کو بلو اؤں اور

یا منھ ہاتھ دھو کر خود مرنا تک جاؤں۔ اس میں دو پہر ہونے کو آئی۔ بارے ایک لڑکا کھیلتا ہوا آیا۔ جوں ہی زینے پر چڑھا کہ کلیم اس سے

عرضِ مطلب کرنے کے لیے لپکا۔ وہ لڑکا اس کی ہیئت کدائی دیکھ ڈر کر بھاگا۔ خدا جانے اس نے اس کو بھوت سمجھایا سڑی خیال کیا۔

کلمہ نے بہتیرا پکا اس لڑکے نے پیٹھ پھیر کر نہ دیکھا۔

ناچار کلیم نے بہ ہزار مصیبت دوسرے فاقے سے شام پکڑی اور جب اندھیرا ہوا تو اُلُو کی طرح اپنے نشیمن سے نکلا۔ سید حامد مرنا

کے مکان پر گیا اور آواز دی تو یہ جواب ملا کہ وہ تو بڑے سویرے کے قطب صاحب سدھارے ہیں۔ کلیم نے چاہا کہ اپنا تعارف ظاہر

کر کے ممکن ہو تو منہ ہاتھ دھونے کو پانی مانگے اور مرنا کی پھٹی پرانی جوتی اور ٹوپی، تاکہ کسی طرح گلی کوچے میں چلنے کے قابل ہو جائے۔

یہ سوچ کر اس نے کہا:

”کیوں حضرت، آپ مجھ سے بھی واقف ہیں؟“

اندر سے آواز آئی: ”ہم تمہاری آواز تو نہیں پہچانتے، اپنا نام نشان بتاؤ تو معلوم ہو۔“

کَلیم: میرا نام کلیم ہے، اور مجھ سے اور مرنا ظاہر داریگ سے بڑی دوستی ہے۔ بلکہ شب کو میں مرزا صاحب ہی کی وجہ سے مسجد میں تھا۔

گھر والے: وہ درمی اور نکلیہ کہاں ہے جو تمہارے سونے کے لیے بھیجا گیا تھا؟

نکلیہ اور درمی کانام سن کر تو کلیم بہت چکرایا اور ابھی جواب دینے میں متامل تھا کہ اندر سے آواز آئی: ”مرنا زبردست بیگ! دیکھنا، یہ مرد اکہیں چل نہ دے۔ دوزکر نکلیہ درمی تو اس سے لو۔“

کلیم یہ سن کر بھاگا۔ ابھی گلی کی کڑتیک نہیں پہنچا تھا کہ زبردست نے ”چور چور“ کر کے جالیا۔ ہر چند کلیم نے مرنا ظاہر دار بیگ کے ساتھ اپنے حقوق معرفت ثابت کیے مگر زبردست کا ٹھیکہ سر پر، اس نے ایک نہ مانی اور پکڑ کر کو توالی لے گیا۔ کو توال نے سر سری طور پر دونوں کا بیان سنا اور کلیم سے اس کا حسب نسب پوچھا۔ ہر چند، کلیم اپنا بتانے میں جھینپتا تھا مگر چار دنا چار اس کو بتاتا پڑا۔ لیکن اس کی حالت ظاہری ایسی ابتر ہو رہی تھی کہ اس کا سچ بھی جھوٹ معلوم ہوتا تھا۔ کو توال نے سن کر یہی کہا کہ میاں نصوح جن کو تم اپنا والد بتاتے ہو، میں ان کو خوب جانتا ہوں اور یہ بھی مجھ کو معلوم ہے کہ ان کے بڑے بیٹے کا یہی نام ہے جو تم نے اپنا بیان کیا ہے۔ مکے کا پتا، گھر کا نشان بھی جو تم نے کہا، سب ٹھیک ہے۔ مگر کلیم تو ایک مشہور و معروف آدمی ہے۔ آج شہر میں اس کی شاعری کی دھوم ہے۔ تمہاری یہ حیثیت کہ ننگے سر، ننگے پاؤں، بدن پر کیچڑ تھپی ہوئی۔ مجھ کو بار نہیں ہوتا۔ ان کو حوالات میں رکھو۔ صبح ہو تو میں ان کے والد کو بلواؤں تو ان کے بیان کی تصدیق ہو۔

کلیم یہ سن کر رو دیا اور کہا کہ میں وہی بد نصیب ہوں جس کی شعر گوئی کا شہرہ آپ نے سنا ہے۔ آپ کو یقین نہ ہو تو میں اپنے افکار تازہ سناؤں۔ چنانچہ کل شب کو جو کچھ مسجد و مرنا کی شان میں کہا تھا، سنایا۔ اس پر کو توال نے اتنی رعایت کی کہ دو سپاہی کلیم کے ساتھ کیے اور ان کو حکم دیا کہ ان کو میاں نصوح کے پاس لے جاؤ۔ اگر وہ ان کو اپنا فرزند بتائیں تو چھوڑ دینا، ورنہ واپس لا کر حوالات میں رکھنا۔

(توبہ النصوح)



اس کو بھی ہمیشہ

تخیر ہونا عبرت کا

ہم نے اوپر بیان

سونس نہ غم خوار،

ہو تا تو اس حالت

پ کے ساتھ نماز

چیز کلیم کے بدن

خاص تھی۔ کوئی

دکا بھوت اور

وکیھا اُدھر دیکھا،

مرنا کو بلواؤں اور

ما کہ کلیم اس سے

سڑی خیال کیا۔

نکلا۔ سید حامرنا

اپنا تعارف ظاہر

قابل ہو جائے۔

سے مسجد میں تھا۔

جماعت ختم



۱۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

- (i) مرزا ظاہر دار بیگ نے کلیم کو جس مسجد میں ٹھہرایا، وہ تھی:
 (الف) آباد اور پر رونق (ب) کشادہ اور خوش گوار (ج) تنگ و تاریک (د) ویران اور وحشت ناک
- (ii) مرزا ظاہر دار بیگ نے کلیم کو بتایا کہ آج اُن کی بیوی ہے شدید:
 (الف) علیل (ب) غصے میں (ج) فکر مند (د) دباؤ میں
- (iii) مرزا ظاہر دار بیگ نے کہا کہ آپ کو میری نسبت سخن سازی کا احتمال ہونا ہے:
 (الف) سخت غصہ کی بات (ب) سخت تعجب کی بات (ج) تشویش ناک بات (د) سخت حیرت کی بات
- (iv) مرزا ظاہر دار بیگ نے بھنے ہوئے چنے کلیم کو بتا کر کھلائے:
 (الف) لذیذ پراٹھے (ب) مزے دار مٹھائی (ج) گھی کی تلی دال (د) بیسنی روٹی
- (v) مرزا ظاہر دار بیگ جو چنے لے کر آئے، وہ تھے:
 (الف) ایک مٹھی (ب) دو تین مٹھی (ج) ایک پاؤ (د) آدھ سیر
- (vi) کلیم کے پیچھے جو شخص بھاگا، اس کا نام تھا:
 (الف) مرزا ظاہر دار بیگ (ب) مرزا زبردست بیگ (ج) مرزا طاقت ور بیگ (د) مرزا جان دار بیگ

۲۔ سبق ”کلیم اور مرزا ظاہر دار بیگ“ کے متن کے مطابق سوالوں کے جواب لکھیں۔

- (الف) سبق ”کلیم اور مرزا ظاہر دار بیگ“ ڈپٹی نذیر احمد کے کس ناول سے مستعار ہے؟
 (ب) مرزا ظاہر دار بیگ کا مکان کہاں واقع تھا اور کیسا تھا؟
 (ج) مرزا ظاہر دار بیگ نے کلیم کو ایک رات کے لیے کس جگہ ٹھہرایا؟
 (د) مرزا ظاہر دار بیگ نے کلیم کو رات کا کھانا کس طور پر کھلایا؟
 (ه) مرزا ظاہر دار بیگ نے کلیم کو اپنے بارے میں کیا بتایا تھا اور وہ کیا نکلا؟
 (و) جب مرزا زبردست بیگ کلیم کے پیچھے بھاگا تو کلیم کس حلیے میں تھا؟

(۲) اعراب کی مدد سے ان الفاظ کا درست تلفظ واضح کریں۔

اپلوں	سودھی	شمہ	متصرف	متفحس
خفقان	حشمت	متعرض	اشتراک	سخن سازی

(۳) درج ذیل الفاظ کے معانی لکھیں۔

اپنے تئیں	قلب باہیت	ہیت کدائی	دیو اشتہا	اختلاج قلب
حقوق معرفت	مرغ نوگر قدر	سخن سازی	چار و ناچار	تسلیم بے ہنگام

(۵) درج ذیل میں سے لفظ منتخب کر کے سبق کے متن کے مطابق جملے مکمل کریں۔

بندہ نوازی	اپنے تئیں	علیل	ہم رکاب
سخن سازی	سڈول	ماہتاب	شیر

- (الف) _____ بہت بنائے سنوارے رہا کرتے ہیں۔
- (ب) میں ذرا کپڑے پہن آؤں تو آپ کے _____ چلوں۔
- (ج) بندے کے گھر میں کئی دن سے طبیعت _____ ہے۔
- (د) یہ فرمائیے کہ اس وقت _____ فرمانے کی کیا وجہ ہے؟
- (ه) میں اُس جاہ و حشمت کا ایک _____ بھی نہیں دیکھتا۔
- (و) آپ کو میری نسبت _____ کا احتمال ہونا سخت تعجب کی بات ہے۔
- (ز) تھوڑی دیر صبر کیجیے کہ _____ نکلا چلا آتا ہے۔
- (ح) بھوننے میں چنوں کو _____ بنا دیتا ہے۔

روز مرہ اور محاورہ

روز مرہ: روز مرہ اُس بول چال اور اسلوب بیان کو کہتے ہیں جو خاص اہل زبان استعمال کرتے ہیں۔ اس میں قیاس کو دُعا سماعت پر دار و مدار ہے۔ مثلاً: بلا ناغہ پر قیاس کر کے اس کے بجائے بے ناغہ اور روز روز کی جگہ دن دن نہیں کہا جاتا۔ اہل زبان کے یہاں یہ الفاظ بول چال میں اس طرح کبھی نہیں آتے۔

محاورہ بھی روزمرہ کی طرح اہل زبان کا اسلوب بیان ہی ہے مگر محاورے میں کم از کم دو الفاظ ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک لفظ عموماً مصدر ہوتا ہے اور جملے میں اس مصدر کے تمام مشتقات استعمال کیے جاسکتے ہیں مگر محاورہ ہمیشہ اپنے مجازی معنی دیتا ہے اور اس میں از روئے قیاس تبدیلی کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ جیسے: ٹگل کھانا ایک محاورہ ہے، اس کی جگہ ہم پھول کھانا نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح گھوڑے بچ کر سونا کی جگہ گھوڑے فردخت کر کے سونا ہرگز درست نہ ہوگا۔

یاد رہے کہ اردو میں روزمرہ اور محاورے کے حوالے سے ڈپٹی نذیر احمد کی زبان کو سند کی حیثیت حاصل ہے۔

(۶) درج ذیل محاوروں کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

داویلا مچنا	آنکھ لگنا	چکر اچانا	استغفار کرنا
تنبیہ پکڑنا	چمپت ہونا	دھوم ہونا	آنسوؤں کا قل ہو اللہ پڑھنا

سرگرمیاں:

- مختلف بچوں کو سبق میں آنے والے کرداروں خصوصاً اردو زبان کے دو رسیا بچوں کو کلیم اور مرنا ظاہر دار بیگ کا کردار اور ایک مستعد بچے کو مرنا زبردست بیگ کا کردار دے کر یہ سبق مکالماتی انداز میں بلند آواز میں پڑھیں۔
- کلاس کے تمام بچے ”بڑوں کا احترام“ کے موضوع پر ایک مضمون لکھیں، جس کا مضمون اوّل آئے اسے چارٹ پر لکھ کر جماعت کے کمرے میں اوئیزاں کیا جائے۔

اشاراتِ تدریس

- ۱۔ اساتذہ طلبہ کو داستان اور ناول کا فرق بتائیں اور اردو ناول کی ابتدائی صورت سے آگاہ کریں۔
 - ۲۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ ڈپٹی نذیر احمد کے تمام ناول اصلاحی ہیں اور ان کے ناولوں کے کرداروں کے نام بامشکی ہیں۔
 - ۳۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ تمام لوگ ڈپٹی نذیر احمد کی زبان کو مستند مانتے ہیں اور ان کے روزمرہ اور محاورے کے آگے سب سر جھکاتے ہیں۔
 - ۴۔ طلبہ کو ڈپٹی نذیر احمد کی دیگر تصانیف کا تعارف کرائیں۔
 - ۵۔ اساتذہ بچوں کو تلقین کریں کہ جب وہ ”بڑوں کا احترام“ کے موضوع پر مضمون لکھیں تو اپنے مضمون میں یہ حدیث ضرور درج کریں:
- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:
- ”وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی توقیر نہیں کرتا“ (مشکوٰۃ شریف، صفحہ: ۴۲۳)
- اور بچوں کو نصیحت کریں کہ وہ زندگی بھر اپنا رویہ یہی رکھیں اور اس حوالے سے ڈپٹی نذیر احمد کے ناول ”توبۃ النصوح“ کا حوالہ دیں کہ جب کلیم نے اپنے والد نصوح کی باتوں پر کان نہیں دھرا تو اس کو کس کس طرح سے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔

ان میں سے ایک
معنی دیتا
ملانا نہیں



مولوی عبدالحق

(۱۸۷۰ء-۱۹۶۱ء)

مولوی عبدالحق ضلع میرٹھ (یوپی، انڈیا) کے ایک گاؤں ہاپوڑ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد سکول اور کالج کی تعلیم علی گڑھ میں ہوئی جہاں سر سید احمد خاں، مولانا حالی، مولانا شبلی نعمانی، پروفیسر تھامس آرٹلڈ اور نواب محسن الملک جیسے صاحبانِ علم و فضل سے استفادے کا موقع ملا۔ ملازمت کا آغاز حیدر آباد (دکن) میں ایک سکول سے کیا۔ بعد ازاں صدر مہتمم تعلیمات قیسات ہو کر اورنگ آباد منتقل ہو گئے مگر کچھ ہی عرصہ بعد یہ ملازمت ترک کر دی اور عثمانیہ کالج اورنگ آباد کے پرنسپل بن گئے اور ۱۹۳۰ء میں اس عہدے سے سبک دوش ہوئے۔

کا کردار اور

مولوی عبدالحق ۱۹۱۲ء میں ”انجمن ترقی اردو“ کے سیکرٹری منتخب ہوئے تو انھوں نے اس انجمن کو ایک فعال علمی ادارہ بنادیا۔ وہ ۱۹۳۵ء تک حیدر آباد (دکن) میں اور ۱۹۳۶ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک دہلی میں اسی حیثیت پر فائز رہے۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۹ء میں انجمن ترقی اردو کا دفتر لے کر کراچی آ گئے۔

پر لکھ کر

مولوی عبدالحق کی تمام تر زندگی خدمت و ایثار اور عزم و استقلال کی داستان ہے۔ انھوں نے اپنی ساری عمر اردو زبان کی خدمت میں اور اس کی ترقی و بقا کے لیے طرح طرح کی لڑائیاں لڑنے میں بسر کی۔ کہا کرتے تھے: ”میرا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جانا، کھانا پینا اور پڑھنا لکھنا، دوستی، تعلق، رویا پیسہ سب کچھ اردو کے لیے مختص ہے۔“ اسی لیے انھوں نے اردو کے اہتمام میں کراچی میں اردو آرٹس کالج، اردو سائنس کالج، اردو کامرس کالج، اردو لاکالج اور اردو یونیورسٹی کے قیام کو عملی جامہ پہنایا اور اردو کے دور سارے: ”اردو“، ”قومی زبان“ جاری کیے جو آج بھی اردو زبان و ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔

تے ہیں۔

مولوی عبدالحق کی ان گنت تصانیف ہیں۔ ان کی تحریر میں بے ساختگی اور سحر اپن ہے اور وہ جگہ جگہ بڑی خوب صورتی سے ہندی کے کوئل لفظوں کا استعمال بھی کرتے ہیں اور ان کی تحریر بول چال کی زبان نظر آتی ہے۔

”چند ہم عمر“ ان کی ایسی تصنیف ہے جس میں انھوں نے اپنے ۲۴ ہم عمروں کے خاکے لکھے ہیں۔ شامل کتاب خاکہ ”نام دیو۔ مالی“ اسی کتاب سے مستعار ہے اور جیسا کہ خاکے کے نام ہی سے ظاہر ہے یہ ایک ایسے مالی کا خاکہ ہے جس کا اوڑھنا بچھونا اس کے پودے تھے۔

جماعت نہم

جماعت نہم



نام دیو - مالی



مقاصد تدریس:

- ۱۔ طلبہ کو خاکہ نگاری کے فن سے روشناس کرنا۔
- ۲۔ طلبہ کو آگاہ کرنا کہ قومی زبان اردو کی ترویج و اشاعت کے حوالے سے مولوی عبدالحق کی بے پناہ خدمات ہیں۔ اسی بنا پر قوم نے انھیں ”بابائے اردو“ کا لقب دیا۔
- ۳۔ طلبہ کو بتانا کہ وہی شخص، چاہے وہ کسی درجے کا ہو، عظیم ہوتا ہے جو محنت و مشقت کا دھنی ہو۔
- ۴۔ طلبہ کو تفہیم عہارت اور غیر حقیقی تذکیر و تائید کے چند اہم اصولوں سے روشناس کرنا۔

نام دیو مقبرہ رابعہ دورانی اور نگ آباد (دکن) کے باغ میں مالی تھا۔ ذات کا ڈھیڑ جو بہت بچ قوم خیال کی جاتی ہے۔ قوموں کا امتیاز سنوئی ہے اور رفتہ رفتہ لی ہو گیا ہے۔ سچائی، نیکی، سخی کی میراث نہیں۔ یہ خوبیاں پتی ذات والوں میں بھی ایسی ہی ہوتی ہیں جیسی اونچی ذات والوں میں۔

قیس ہو کوہ کن ہو یا حالی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

مقبرے کا باغ میری نگرانی میں تھا۔ میرے رہنے کا مکان بھی باغ کے احاطے ہی میں تھا۔ میں نے اپنے بنگلے کے سامنے چمن بنانے کا کام نام دیو کے سپرد کیا۔ میں اندر کمرے میں کام کرتا رہتا تھا۔ میری میز کے سامنے بڑی سی کھڑکی تھی۔ اس میں سے چمن صاف نظر آتا تھا۔ لکھتے لکھتے کبھی نظر اٹھا کر دیکھتا تو نام دیو کو ہمہ تن اپنے کام میں مصروف پاتا۔ بعض دفعہ اس کی حرکتیں دیکھ کر بہت تعجب ہوتا۔ مثلاً کیا دیکھتا ہوں کہ نام دیو ایک پودے کے سامنے بیٹھا اس کا تھانولا صاف کر رہا ہے۔ تھانولا صاف کر کے حوض سے پانی لیا اور آہستہ آہستہ ڈالنا شروع کیا۔ پانی ڈال کر ڈول درست کی اور ہر رخ سے پودے کو مڑ مڑ کر دیکھتا۔ پھر اٹے پاؤں پیچھے ہٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ دیکھتا جاتا تھا اور مسکراتا اور خوش ہوتا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ کام اسی وقت ہوتا ہے جب اس میں لذت آنے لگے۔ بے مزہ کام، کام نہیں بیگار ہے۔

اب مجھے اس سے دل چسپی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ بعض وقت اپنا کام چھوڑ کر اسے دیکھا کرتا۔ مگر اسے خبر نہ ہوتی کہ کوئی دیکھ رہا ہے یا اس کے آس پاس کیا ہو رہا ہے۔ وہ اپنے کام میں مگن رہتا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی وہ اپنے پودوں اور پیڑوں ہی کو اپنی اولاد سمجھتا تھا اور اولاد کی طرح ان کی پرورش اور نگہداشت کرتا۔ ان کو سرسبز اور شاداب دیکھ کر ایسا ہی خوش ہوتا جیسے ماں اپنے بچوں کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔ وہ ایک ایک پودے کے پاس بیٹھتا، ان کو پیار کرتا، جھک جھک کے دیکھتا اور ایسا معلوم ہوتا گویا ان سے چپکے چپکے باتیں کر رہا ہے۔ جیسے جیسے وہ بڑھتے، پھولتے پھلتے، اس کا دل بھی بڑھتا اور پھولتا تھا، ان کو توانا اور ٹانٹا دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی

کی لہر دوڑ جاتی۔ کبھی کسی پودے میں اتفاق سے کیڑا لگ جاتا یا کوئی اور روگ پیدا ہو جاتا تو اسے بڑا فکر ہوتا۔ بانار سے دوا میں لاتا۔ باغ کے داروغہ یا مجھ سے کہہ کر منگاتا۔ دن بھر اسی میں لگا رہتا اور اس پودے کی ایسی سیوا کرتا جیسے کوئی ہمدرد اور نیک دل ڈاکٹر اپنے عزیز بیمار کی کرتا ہے۔ ہزار جتن کرتا اور اسے بچا لیتا اور جب تک وہ تن درست نہ ہو جاتا اسے چھین نہ آتا۔ اس کے لگائے ہوئے پودے ہمیشہ پروان چڑھے اور کبھی کوئی پیڑ ضائع نہ ہوا۔

باغوں میں رہتے رہتے اسے جڑی بوٹیوں کی بھی شناخت ہو گئی تھی۔ خاص کر بچوں کے علاج میں اسے بڑی مہارت تھی۔ دور سے لوگ اس کے پاس بچوں کے علاج کے لیے آتے تھے۔ وہ اپنے باغ ہی میں سے جڑی بوٹیاں لا کر بڑی شفقت اور غور سے ان کا علاج کرتا۔ کبھی کبھی دوسرے گاؤں والے بھی اُسے علاج کے لیے بلالے جاتے۔ بلاتال چلا جاتا۔ مفت علاج کرتا اور کبھی کسی سے کچھ نہیں لیتا تھا۔

وہ خود بھی بہت صاف ستھرا رہتا تھا اور ایسا ہی اپنے چمن کو بھی رکھتا۔ اس قدر پاک صاف جیسے رسوئی کا چوکا۔ کیا مجال جو کہیں گھاس پھوس یا کنکر پتھر پڑا رہے۔ روشیں باقاعدہ، تھانولے درست، سینچائی اور شاخوں کی کاٹ چھانٹ وقت پر، جھاڑنا، بھارنا صبح شام روزانہ۔ غرض سارے چمن کو آئینہ بنارکھا تھا۔

باغ کے داروغہ عبدالرحیم فنیسی خود بھی بڑے کار گزار اور مستعد شخص ہیں اور دوسرے سے بھی کھینچ تان کر کام لیتے ہیں۔ اکثر مالیوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنی پڑتی ہے۔ ورنہ ذرا بھی نگرانی میں ڈھیل ہوئی، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے یا بیڑی پینے لگے یا سائے میں جالیئے۔ عام طور پر انسان فطرتماکاہل اور کام چور واقع ہوا ہے۔ آرام طلبی ہم میں کچھ موروثی ہو گئی ہے لیکن نام دیو کو کبھی کچھ کہنے سننے کی نوبت نہ آئی۔ دنیا دانیہا سے بے خبر اپنے کام میں لگا رہتا۔ نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا۔

ایک سال بارش بہت کم ہوئی۔ کنوؤں اور باؤلیوں میں پانی برائے نام رہ گیا۔ باغ پر آفت ٹوٹ پڑی۔ بہت سے پودے اور پیڑ تلف ہو گئے۔ جو بچ رہے وہ ایسے نڈھال اور مرجھائے ہوئے تھے جیسے دق کے بیمار، لیکن نام دیو کا چمن ہر ابھرا تھا۔ وہ دُور دُور سے ایک ایک گھڑ پانی کا سر پر اٹھا کے لاتا اور پودوں کو سینچتا۔ یہ وہ وقت تھا کہ قحط نے لوگوں کے اوسان خطا کر رکھے تھے اور انھیں پینے کو پانی مشکل سے میسر آتا تھا۔ مگر یہ خدا کا بندہ کہیں نہ کہیں سے لے ہی آتا اور اپنے پودوں کی پیاس بجھاتا۔ جب پانی کی قلت اور بڑھی تو اس نے ماتوں کو بھی پانی ڈھو ڈھو کے لانا شروع کیا۔ پانی کیا تھا یوں سمجھیے کہ آدھا پانی اور آدھی کیچڑ ہوتی تھی لیکن یہی گدلا پانی پودوں کے حق میں آپ حیات تھا۔

میں نے اس بے مثل کارگزاری پر اُسے انعام دینا چاہا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ شاید اس کا کہنا ٹھیک تھا کہ اپنے بچوں کو پالنے پوسنے میں کوئی انعام کا مستحق نہیں ہوتا۔ کیسی ہی تنگی ترشی ہو وہ تو ہر حال میں کرنا ہی پڑتا ہے۔

جب اعلیٰ حضرت حضور نظام کو اور نگ آباد کی خوش آب و ہوا میں باغ لگانے کا خیال ہوا تو یہ کام ڈاکٹر سید سراج الحسن (نواب

سراج یار جنگ بہادر) ناظم تعلیمات کے تفویض ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کا ذوق باغبانی مشہور تھا۔ مقبرہ رابعہ دورانی اور اس کا باغ جو اپنی ترتیب و تعمیر کے اعتبار سے مغلیہ باغ کا بہترین نمونہ ہے، مدت سے ویران اور سنسان پڑا تھا۔ وحشی جانوروں کا مسکن تھا اور جھاڑ جھنکار سے پنا پڑا تھا۔ آج ڈاکٹر صاحب کی بدولت سرسبز و شاداب اور آباد نظر آتا ہے۔ اب دور دور سے لوگ اسے دیکھنے آتے اور سیر و تفریح سے محظوظ ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو آدمی پر کھنے میں بھی کمال تھا۔ وہ نام دیو کے بڑے قدر دان تھے، اسے مقبرے سے شاہی باغ میں لے گئے۔ شاہی باغ آخر شاہی باغ تھا۔ کئی کئی نگران کار اور بیسیوں مالی اور مالی بھی کیسے، ٹوکیو سے جاپانی، تہران سے ایرانی اور شام سے شامی آئے تھے۔ ان کے بڑے ٹھاٹ تھے۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی اہم تھی۔ وہ شاہی باغ کو حقیقت میں شاہی باغ بنانا چاہتے تھے۔ یہاں بھی نام دیو کا وہی رنگ تھا۔ اس نے نہ فن باغبانی کی کہیں تعلیم پائی تھی اور نہ اس کے پاس کوئی سند یا پلہ تھا۔ البتہ کام کی ذہن تھی۔ کام سے سچا لگاؤ تھا اور اسی میں اس کی جیت تھی۔ شاہی باغ میں بھی اس کا کام مہا کا ج رہا۔ دوسرے مالی لڑتے جھگڑتے، سیندھی شراب پیتے، یہ نہ کسی سے لڑتا جھگڑتا نہ سیندھی شراب پیتا۔ یہاں تک کہ کبھی بیڑی بھی نہ پی۔ بس یہ تھا اور اس کا کام۔

ایک دن نام معلوم کیا بات ہوئی کہ شہد کی مکھیوں کی یورش ہوئی۔ سب مالی بھاگ بھاگ کر چھپ گئے۔ نام دیو کو خبر بھی نہ ہوئی کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ برابر اپنے کام میں لگا رہا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ قضا اس کے سر پر کھیل رہی ہے۔ مکھیوں کا غضب ناک حملہ اس غریب پر ٹوٹ پڑا۔ اتنا کاٹا اتنا کاٹا کہ بے دم ہو گیا۔ آخر اسی میں جان دے دی۔ میں کہتا ہوں کہ اسے شہادت نصیب ہوئی۔

وہ بہت سادہ مزاج بھولا بھالا اور منکسر مزاج تھا۔ اس کے چہرے پر ہنسی اور لبوں پر مسکراہٹ کھلتی رہتی تھی۔ چھوٹے بڑے ہر ایک سے جھک کر ملتا۔ غریب تھا اور تنخواہ بھی کم تھی اس پر بھی اپنے غریب بھائیوں کی بساط سے بڑھ کر مدد کرتا رہتا تھا۔ کام سے عشق تھا اور آخر کام کرتے کرتے ہی اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

گرمی ہو یا جاڑا، دھوپ ہو یا سایہ، وہ دن رات برابر کام کرتا رہا لیکن اسے کبھی یہ خیال نہ آیا کہ میں بہت کام کرتا ہوں یا میرا کام دوسروں سے بہتر ہے۔ اسی لیے اسے اپنے کام پر فخر یا غرور نہ تھا۔ وہ یہ باتیں جانتا ہی نہ تھا۔ اسے کسی سے ہیر تھانہ جلاپا۔ وہ سب کو اچھا سمجھتا اور سب سے محبت کرتا تھا۔ وہ غریبوں کی مدد کرتا، وقت پر کام آتا، آدمیوں جانوروں، پودوں کی خدمت کرتا لیکن اسے کبھی یہ احساس نہ ہوا کہ وہ کوئی نیک کام کر رہا ہے۔ نیکی اسی وقت تک نیکی ہے جب تک آدمی کو یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کوئی نیک کام کر رہا ہے۔ جہاں اس نے یہ سمجھنا شروع کیا، نیکی نیکی نہیں رہتی۔

جب کبھی مجھے نام دیو کا خیال آتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ نیکی کیا ہے اور بڑا آدمی کسے کہتے ہیں۔ ہر شخص میں قدرت نے کوئی نہ کوئی صلاحیت رکھی ہے۔ اس صلاحیت کو درجہ کمال تک پہنچانے میں ساری نیکی اور بڑائی ہے۔ درجہ کمال تک نہ کبھی کوئی پہنچا ہے نہ پہنچ سکتا ہے۔ لیکن وہاں تک پہنچنے کی کوشش ہی میں انسان انسان بنتا ہے۔ یہ سمجھو کُن دن ہو جاتا ہے۔ حساب کے دن جب اعمال کی جانچ پڑتال ہوگی خدا، یہ نہیں پوچھے گا کہ تونے کتنی پوجا پاٹ یا عبادت کی۔ وہ کسی عبادت کا محتاج نہیں۔ وہ پوچھے گا تو یہ پوچھے گا کہ میں

نے جو تجھ میں استعداد و دلالت کی تھی، اُسے کمال تک پہنچانے اور اس سے کام لینے میں تُو نے کیا کیا اور خلق اللہ کو اس سے کیا فیض پہنچایا۔ اگر نیکی اور بڑائی کا یہ معیار ہے تو نام دیونیک بھی تھا اور بڑا بھی۔ تھا تو ذات کا ڈھیل پر اچھے اچھے شریفوں سے زیادہ شریف تھا۔ (چند ہم عصر)



(۱) سبق ”نام دیو۔ مالی“ کے متن کے حوالے سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

(i) نام دیو پودوں اور پیڑوں کو سمجھتا تھا:

(الف) اپنا دوست (ب) اپنا دشمن (ج) اپنا سجن (د) اپنی اولاد

(ii) نام دیو کے لگائے ہوئے پودے ہمیشہ:

(الف) تلف ہوئے (ب) پروان چڑھے (ج) سوکھ کر رہ گئے (د) دیے کے دیے رہے

(iii) نام دیو بچوں کا علاج کرتا تھا:

(الف) تعویذ گندوں سے (ب) ٹونے ٹوکوں سے (ج) جڑی بوٹیوں سے (د) دوا دارو سے

(iv) نام دیو کی موت واقع ہوئی:

(الف) دل کے عارضے سے (ب) ٹانگ ٹوٹنے سے (ج) درخت پر سے گرنے سے (د) شہد کی مکھیوں کی یورش سے

(v) ہر شخص میں قدرت نے کوئی نہ کوئی رکھی ہے:

(الف) استعداد (ب) خوبی (ج) صلاحیت (د) بڑائی

(۲) سبق ”نام دیو۔ مالی“ کے متن کے مطابق سوالوں کے جواب لکھیں۔

(الف) نام دیو۔ مالی کا تعلق کس ذات سے تھا؟

(ب) نام دیو کو اپنے پودوں سے کس حد تک لگاؤ تھا؟

(ج) نام دیو کا اگر کوئی پودا بیمار پڑ جاتا تو وہ اس کے لیے کیا کیا جتن کرتا تھا؟

(د) نام دیو کی موت کیسے واقع ہوئی؟

(ه) نیکی اور بڑائی کا معیار کیا ہے؟

اس کا باغ جو اپنی
تھا اور جھار جھکار
آتے اور سیر و تفریح
بے سے شای باغ
سے ایرانی اور شام
لبنانا چاہتے تھے۔
نام کی دھن تھی۔
سیدھی شراب
کو خبر بھی نہ ہوئی
بناک جھلڑ اس
ہوئی۔
ان تھی۔ چھوٹے
رہتا رہتا تھا۔ کام
رہتا ہوں یا میرا
جلاپا۔ وہ سب کو
تا لیکن اسے کبھی
کام کر رہا ہے۔

درت نے کوئی
کوئی پہنچا ہے نہ
جب اعمال کی
چھ گاکہ میں

جماعت نہم

- (الف) کام اسی وقت ہوتا ہے جب اس میں لذت آنے لگے۔ بے مزہ کام، کام نہیں _____ ہے۔
- (ب) اس کے لگائے ہوئے پودے ہمیشہ _____ چڑھے اور کبھی کوئی پیڑ ضائع نہ ہوا۔
- (ج) باغوں میں رہتے رہتے اسے _____ کی بھی شناخت ہو گئی تھی۔
- (د) اپنے _____ کو پالنے پونے میں کوئی انعام کا مستحق نہیں ہوتا۔
- (و) ایک دن نامعلوم کیا بات ہوئی کہ شہد کی مکھیوں کی _____ ہوئی۔

تفہیم عبارت:

بات کو دوسروں تک پہنچانے میں زبان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ امتحان میں طلبہ کی زبان دانی کا جائزہ لینے کے لیے کسی تحریر کا اقتباس اور اس کے آخر میں چند سوالات دیے جاتے ہیں جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس تحریر کے مفہوم کو کس حد تک سمجھتے ہیں۔ اس ضمن میں چند باتیں ہمیشہ مد نظر رکھیں:

- ♦ عبارت کے نفس مضمون کو سمجھنے کی کوشش کریں۔
- ♦ سوالوں کے جوابات عبارت کے مجموعی تاثر کے پیش نظر دیں۔
- ♦ جتنا سوال پوچھا گیا ہے، اتنا جواب دیں۔ جواب اپنے الفاظ میں لکھیں اور عبارت آرائی سے گریز کریں۔
- (۴) درج ذیل عبارت کو پڑھیں اور آخر میں دیے گئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

ایک مغربی مؤرخ سیٹلے والپرٹ (Stanley Wolpert) نے قائد اعظمؒ کے بارے میں لکھا:

”دنیا میں فقط چند افراد ہی ایسے ہوئے ہوں گے جنہوں نے انفرادی طور پر معنی خیز انداز میں تاریخ کے دھارے کو تبدیل کر دیا ہو۔ شاید گنتی کے چند لوگ ہی ہوں گے جنہوں نے دنیا کے نقشے میں ترمیم کر دی ہو اور شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جس نے کسی بکھری ہوئی قوم کو ایک بنا کر اسے ایک ملک دے دیا ہو۔ محمد علی جناحؒ نے یہ تینوں کارنامے انجام دیے۔“

قائد اعظمؒ کی مسلسل جاں فشانیوں کے بعد بالآخر حکومت برطانیہ اور کانگریس نے ۳ جون ۱۹۴۷ء کو مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کا مطالبہ تسلیم کر لیا اور اسی روز قائد اعظمؒ نے آل انڈیا ریڈیو سے اپنی تقریر میں مسلم لیگ کے نقطہ نظر کے ساتھ پاکستان زندہ باد کے الفاظ کا اعلان کر دیا۔ اس طرح ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو مملکتِ خدا داد پاکستان وجود میں آگئی۔ قوم نے اپنے

عظیم محسن کی گراں قدر خدمات کے اعتراف کے طور پر انھیں "قائد اعظم" اور "بابائے قوم" اور ان کی بہن فاطمہ جناح کو جو جدوجہد آزادی میں اپنے بھائی کی شریک کار تھیں "مادرِ ملت" کے القابات دیے۔

سوالات: (الف) معروف مغربی مؤرخ شیلے والپورٹ نے قائد اعظم کے بارے میں کیا لکھا؟

(ب) قائد اعظم نے "پاکستان زندہ باد" کے الفاظ کا استعمال کب کیا؟

(ج) مملکتِ خداداد پاکستان کب وجود میں آئی؟

(د) قوم نے قائد اعظم کی بہن محترمہ فاطمہ جناح کو کیا لقب دیا؟

(ه) اس تحریر کا ایک عنوان تجویز کریں۔

تذکیر و تانیث

ی تحریر
ہیں۔

اردو میں اسم کی صرف دو جنسیں ہیں: مذکر اور مؤنث۔ یعنی ہر اسم چاہے جان دار کے لیے ہو یا بے جان کے لیے، یا تو مذکر ہو گا یا مؤنث۔ اردو میں مذکر سے مؤنث اور مؤنث سے مذکر بنانے کے کوئی حتمی اصول نہیں اور عام طور پر لفظوں کی تذکیر و تانیث زبان دان لوگوں کے ذریعے اور چلن کی بنیاد ہی پر معلوم ہوتی ہے، تاہم قواعد جاننے والوں نے اس کے کچھ قاعدے قانون بھی بنائے ہیں۔ ان میں سے غیر حقیقی اسموں کی تذکیر و تانیث کے چند اصول یہ ہیں:

- ♦ سوائے جمعرات کے تمام دنوں کے نام مذکر ہیں۔
- ♦ منٹ، گھنٹا، دن، مہینہ، سال، مذکر ہیں البتہ "رات" مؤنث ہے۔
- ♦ پہاڑوں، پتھروں اور ان کی تمام قسموں کے نام مذکر بولے جاتے ہیں۔
- ♦ شہروں اور ملکوں کے نام مذکر ہیں۔
- ♦ تمام دریاؤں کے نام مذکر، البتہ ندیوں کے نام مؤنث بولے جاتے ہیں۔
- ♦ تمام ستاروں اور سیاروں کے نام مذکر بولے جاتے ہیں۔
- ♦ تمام زبانوں اور نمازوں کے نام مؤنث بولے جاتے ہیں۔
- ♦ بول چال کی زبان میں ان الفاظ کو مذکر بولا جاتا ہے: بے ہوش، درد، نسخہ، پرہیز، عیش، فوٹو، اخبار، لالچ، تار، لفافہ، خط، ٹکٹ، کارڈ، مرض، مزاج، علاج، مرہم، ماضی، انتظار، کلام، ارتقا۔
- ♦ ان الفاظ کو مؤنث بولا جاتا ہے: زبان، دوا، بھوک، پیاس، ترازو، کرسی، راہ، گھاس، سرسوں، کچھڑ، چنگ، سائیکل، چچہ دیوار، آواز۔



امتیاز علی تاج

(۱۹۰۰ء-۱۹۷۰ء)

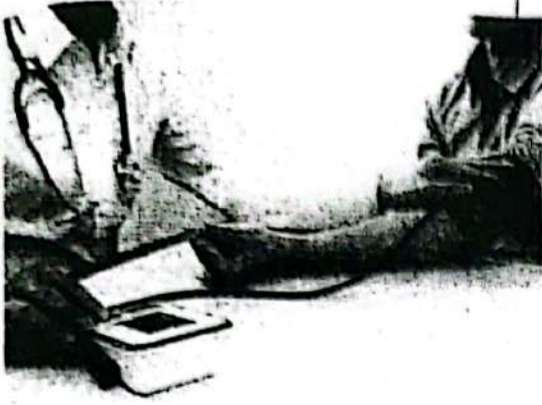
اُردو کے کامیاب ڈراما نگاروں کی فہرست میں امتیاز علی تاج کا نام بڑا نمایاں ہے۔ اُن کی جائے ولادت لاہور ہے مگر اُن کے والد، سید ممتاز علی، جو ایک بلند پایہ مصنف اور مجلہ ”تہذیب نسواں“ کے بانی مدیر تھے، دیوبند ضلع سہارن پور (یو۔ پی، انڈیا) کے رہنے والے تھے۔

امتیاز علی تاج نے سنٹرل ماڈل سکول لوئر مال لاہور سے میٹرک اور گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے پاس کیا۔ انھیں سکول کے زمانے ہی سے لکھنے لکھانے کے ساتھ دل چسپی تھی۔ ابھی تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ انھوں نے ایک ادبی رسالہ ”کھکشاں“ نکالنا شروع کر دیا مگر ڈراما نگاری کا شوق کالج کے زمانے میں پیدا ہوا جہاں وہ کالج کے ڈرامیٹک کلب کے سرگرم رکن تھے اور اس فن میں انھوں نے اتنی ترقی کی کہ بائیس سال کی عمر میں ڈراما ”انارکلی“ لکھا جو ڈراما نگاری کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی انھوں نے بہت سے ریڈیائی اور سٹیج ڈرامے لکھے۔ انھوں نے انگریزی اور فرانسیسی زبان کے ڈراموں کا اس عمدگی سے اُردو ترجمہ کیا کہ ان کے کرداروں کو اپنے ماحول کے مطابق ڈھال لیا۔

امتیاز علی تاج مزاح نگار بھی تھے۔ مزاح نگاری کے ضمن میں اُن کا تخلیق کردہ ایک ڈرامائی کردار ”چچا چھکن“ ہے۔ انھوں نے بچوں کے لیے بھی متعدد ڈرامے لکھے جن میں شامل کتاب ڈراما ”آرام و سکون“ بھی ہے۔ ”آرام و سکون“ کا لب لباب یہ ہے کہ جن گھروں میں غل غپاٹا ہوتا ہے اُن کا سکون برباد ہو جاتا ہے اور ایسے گھروں کے مکین، جو دفاتروں میں ملازم ہیں مگر اُن کو گھروں میں آرام و سکون میسر نہیں ہوتا، تو وہ اپنے گھروں پر دفاتروں کو ترجیح دینے لگتے ہیں۔

آرام و سکون

مقاصد تدریس:



- ۱۔ طلبہ کو ڈراما نگاری کے فن سے روشناس کرنا۔
- ۲۔ طلبہ کو بتانا کہ کہانی مکالموں کے ذریعے کیسے آگے بڑھتی ہے۔
- ۳۔ طلبہ کو اردو ڈراما نگاری میں سید امتیاز علی تاج کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کرنا۔
- ۴۔ طلبہ کو آگاہ کرنا کہ مزاحیہ تحریر یا مکالمے سادہ ہی کیوں نہ ہوں، ہنسنے ہنسانے کی چیز نہیں بلکہ بین السطور کوئی مقصد یا پیغام بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔
- ۵۔ ڈراما ”آرام و سکون“ کے ذریعے طلبہ کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانا کہ بیمار کو آرام و سکون کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ شور غل سے بچ آجاتا ہے۔
- ۶۔ طلبہ کو حروف کی چند اقسام، سابقہ لاحقے اور مکالمہ نگاری کے بارے میں آگاہ کرنا۔

(اہم کردار)

ڈاکٹر۔۔۔۔۔ معالج بیوی۔۔۔۔۔ بیگم اشفاق میاں۔۔۔۔۔ اشفاق لٹو۔۔۔۔۔ گھر کا ملازم

فقیر ننھا سقا

(منظر)

(میاں اشفاق (مریض) بیمار ہیں اور کمرے میں بستر پر لیٹے ہیں کہ ایک ڈاکٹر ان کا معائنہ کر چکنے کے بعد ان کی بیوی کو تاکید کرتا ہے کہ ان کے آرام و سکون کا خیال رکھا جائے۔)

ڈاکٹر: جی نہیں بیگم صاحبہ! تڑدکی کوئی بات نہیں، میں نے بہت اچھی طرح معائنہ کر لیا ہے۔ صرف تھکان کی وجہ سے حرارت ہو گئی ہے۔ ان دنوں آپ کے شوہر غالباً کام بہت زیادہ کرتے ہیں۔

بیوی: ڈاکٹر صاحب ان دنوں کیا، ان کا ہمیشہ سے یہی حال ہے۔ صبح دس بجے دفتر جا کر شام سات بجے سے پہلے کبھی واپس نہیں آتے۔

ڈاکٹر: جی تو! میرے خیال میں انھیں دوا سے زیادہ آرام و سکون کی ضرورت ہے۔ کاروبار کی پریشانیاں اور الجھنیں بھلا کر ایک بھی روز آرام و سکون سے گزرا تو طبیعت ان شاء اللہ بحال ہو جائے گی۔

بیوی: بیسیوں مرتبہ کہ چکی ہوں کہ اتنا کام نہ کیا کرو۔ نصیب دشمنان صحت سے ہاتھ دھو بیٹھو گے مگر خاک اثر نہیں ہوتا۔ ہمیشہ یہی کہہ دیتے ہیں، کیا کیا جائے۔ ان دنوں کام بے طرح زوروں پر ہے۔

ڈاکٹر: ہر روز تھوٹا تھوٹا وقت آرام و سکون کے لیے نہ نکالا جائے تو پھر بیمار پڑ کر بہت زیادہ وقت نکالنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔

بیوی: یہ بات آپ نے انھیں بھی سمجھائی؟ میں نے کہا میں رہے ہو؟ ڈاکٹر صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟

میاں: ہوں۔۔۔!

ڈاکٹر: جی ہاں! میں نے سمجھا کر اچھی طرح تاکید کر دی ہے کہ دن بھر خاموش لیٹے رہیں۔

بیوی: تو تاکید کیا نہیں نہیں کرتی؟ مگر ان پر کسی کے کہنے کا کچھ اثر بھی ہوا!

ڈاکٹر: جی نہیں! ابھی انھوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ پورے طور سے میری ہدایات پر عمل کریں گے۔

بیوی: اور ڈاکٹر کس کس وقت دینی ہے؟

ڈاکٹر: جی نہیں! ڈاکٹر کی مطلق ضرورت نہیں۔ بس آپ صرف ان کے آرام و سکون کا خیال رکھیے۔ غذا جو کچھ دینی ہے، میں لکھ چکا ہوں۔

بیوی: بڑی مہربانی آپ کی۔

ڈاکٹر: تو پھر اجازت!!

بیوی: فیس میں آپ کو بھجوا دوں گی۔

ڈاکٹر: اس کی کوئی بات نہیں۔ آجائے گی۔

بیوی: (ادھی آواز سے پکار کر) ارے لٹو! میں نے کہا ڈاکٹر صاحب کا بیگ باہر کار میں پہنچا دیجیو۔

ڈاکٹر: ایک بات عرض کر دوں بیگم صاحبہ! مریض کے کمرے میں شور و غل نہیں ہونا چاہیے۔ اعصاب پر اس کا بہت مضر اثر پڑتا ہے۔

خاموشی اعصاب کو ایک طرح کی تقویت بخشتی ہے۔

بیوی: مجھے کیا معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب؟ آپ اطمینان رکھیں ان کے کمرے میں پرندہ پرندہ مارے گا۔ (ملازم آتا ہے)

لٹو: حضور!

ڈاکٹر: اٹھالویہ بیگ۔ تو آداب!

بیوی: آداب! (ڈاکٹر اور ملازم جاتے ہیں۔ قریب آکر) میں نے کہا سو گئے کیا؟

میاں: ہوں! یوں ہی چپکا پڑا تھا۔

بیوی: بس بس۔ بس بس چپکے ہی پڑے رہیے۔ ڈاکٹر صاحب بہت سخت تاکید کر گئے ہیں کہ نہ آپ بات کریں نہ کوئی آپ کے کمرے

میں بات کرے۔ اس سے بھی تھکان ہوتی ہے۔ تمام وقت پورے آرام و سکون سے گزاریں۔ سمجھ گئے ناں؟

میاں: ہوں۔ (کراہتا ہے)

بیوی: کیوں بدن ٹوٹ رہا ہے کیا؟

میاں: ہوں!

بیوی: کہو تو دبا دوں؟

ہوں!

بیوی: سونے کو جی چاہ رہا ہو تو چلی جاؤں؟

میاں: اچھی بات۔ (کراہتا ہے)

بیوی: اگر پیچھے کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو؟ اچھا بلانے کی گھنٹی پاس رکھے جاتی ہوں۔ گھنٹی کہاں گئی؟ رات میں نے آپ یہاں میز پر

رکھی تھی۔ اللہ جانے یہ کون اللہ مارا میری چیزوں کو الٹ پلٹ کرتا ہے؟

(کنڈی کی آواز) کون ہے یہ نامراد؟ ارے لٹو! ادیکھو، یہ کون کو اڑ توڑے ڈال رہا ہے؟

لٹو: (دور سے) سنا ہے بیوی جی!

بیوی: سنا؟ گھر میں بہرے بستے ہیں جو کم بخت اس زور سے کنڈی کھٹکھٹاتا ہے؟ اللہ ماروں کو اتنا خیال بھی تو نہیں آتا کہ گھر میں کوئی

بیمار پڑا ہے۔ ڈاکٹر نے تاکید کر رکھی ہے کہ شور و غل نہ ہونے پائے اور اس سے کہو یہی وقت ہے، پانی لانے کا؟ اچھی خاصی

دو پہر ہونے کو آگئی ہے۔ کل سے اتنی دیر میں آیا تو نوکری سے الگ کر دوں گی۔ میں نامراد کو بیسیوں مرتبہ کہلا چکی ہوں کہ صبح

سویرے ہو جایا کرے، کان پر جوں نہیں ریگلتی۔

میاں: ارے بھئی! اب بخشو اے۔

بیوی: بخشوں کیسے؟ ذرا طرح دو تو یہ لوگ سر پر سوار ہو جاتے ہیں۔

میاں: ہوں۔ (کراہتا ہے)

بیوی: کیوں زیادہ درد محسوس ہو رہا ہے؟

میاں: ہوں۔

بیوی: لٹو سے کہوں آکر دبا دے؟

میاں: اُوں ہوں۔

بیوی: یہ دیکھو۔ یہاں انگلیٹھی پر رکھی ہے۔ آپ بتائیے آپ سے آپ آگئی یہاں؟ پاؤں تھے اس کے؟ یہ سب حرکتیں اس لٹو کی ہیں۔

کم بخت نے قسم کھا رکھی ہے کہ کوئی بھی چیز ٹھکانے پر نہ رہنے دے گا۔ اللہ جانے یہ نامراد میری چیزوں کو ہاتھ لگا تا کیوں ہے؟

لٹو! ارے لٹو!

میاں: ارے بھئی کیوں ناحق غل مچا رہی ہو۔ گھنٹی رات میں نے خود میز پر سے اٹھا کر انگلیٹھی پر رکھ دی تھی۔ ہوں! (کراہتا ہے)

بیوی: تم نے؟ اے ہے، وہ کیوں؟

میاں: ننھا بار بار بجائے جا رہا تھا۔ میرا دم الجھنے لگا تھا۔ (کراہتا ہے)

لٹو: (آکر) مجھے بلایا ہے بیوی جی؟

بیوی: کم بخت اتنی دیر سے آوازیں دے رہی ہوں، کہاں مر گیا تھا؟

للو: آپ نے ریٹھے کوٹے کو کہا، وہ گودام میں ڈھونڈ رہا تھا۔

میاں: ہوں۔ (کراہتا ہے)

بیوی: صبح سویرے کہا تھا، کم بخت تجھے اب تک ریٹھے مل نہیں چکے؟

للو: جی مہلت بھی ملے۔ ادھر گودام میں جاتا ہوں، ادھر کوئی بلا لیتا ہے۔

بیوی: ہاں بڑا کام رہتا ہے ناں ابے چارے کو سر کھانے کو فرصت نہیں ملتی۔ بھاگ یہاں سے۔ نکل، جائے ریٹھے ڈھونڈ۔ (للو جاتا ہے)

تو یہ گھنٹی یہاں تمہارے سر خانے رکھ جاتی ہوں۔

میاں: (کراہ کر) کوڑ بند کرتی جانا۔

بیوی: پیچھے اکیلے میں جی تو نہ گھبرائے گا تمہارا؟

میاں: (نگ آکر) نہیں بابا نہیں۔

بیوی: ارے ہاں۔ یہ تو میں نے دیکھا ہی نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کھانے کے لیے کیا کیا چیزیں لکھ گئے ہیں۔ کہاں گیا ان کا لکھا ہوا کاغذ؟

اے لویہ نیچے پڑا ہوا ہے۔ ابھی کہیں کوڑے میں چلا جاتا تو۔ ہوں۔ مالٹڈ ملک (Malted Milk) تاریکی کا رس، سا گودا نہ

کی کھیر، کیا تیار کرادوں اس وقت کے لیے؟

میاں: جو جی چاہے۔

بیوی: اس میں میرے جی چاہنے کا کیا سوال؟ کھانا آپ کو ہے یا مجھے؟

میاں: سا گودا نہ بنادینا تھوڑا سا۔

بیوی: بس! اس سے کیا بنے گا؟ بخنی پی لیتے تھوڑی سی۔ چوزے کی بخنی بنوائے دیتی ہوں۔ مقوی چیز ہے۔

میاں: بنوا دو۔

بیوی: (دو قدم چلتی ہے) مگر میں نے کہا۔ دیر لگ جائے گی بخنی کی تیاری میں، چوزہ بازار سے منگوانا ہو گا۔ اس لٹو کو تو جانتے ہو۔

بازار جاتا ہے تو وہیں کا ہو رہتا ہے۔

میاں: اول ہوں۔

بیوی: تو پھر یوں کرتی ہوں۔ (صحن میں بچہ پٹ پٹ گاڑی چلانے لگتا ہے)

میاں: ارے بھی، اب یہ کیا کھٹ پٹ شروع ہو گئی۔

بیوی: نکھارے آپ کا۔ عید کے روز میلے میں سے یہ کھلونا گاڑی لے آیا تھا۔ نہ اس کم بخت کا دل اس سے بھرتا ہے نہ وہ کم بخت ٹوٹتی

جے۔ اسے نہیں نے کہا تھے نہیں مانے گا مراد؟ چھوڑ اس اپنی پٹ پٹ نہ کہ جب۔ کچھ لیے لیے پھر رہا ہے۔ صاحب زادے کا دل کسی طرح پر ہونے ہی میں نہیں آتا۔ چولھے میں جھونک دوں گی اس کم بخت کو، اتنا خیال بھی نہیں آتا بیمار پڑے ہیں۔

— شور و غل سے ان کی طبیعت گھبراتی ہے۔

— ہوں۔ (زرا ہتا ہے)

— کم نہیں ہوا دور؟

یاں: اوں ہوں۔

بیوی: تو نہیں کیا کہ رہی تھی؟ کھانے کا پوچھ رہی تھی۔

(پھر ننھے کی پٹ پٹ کی آواز) پھر وہی۔ نہیں مانے گا مراد، ٹھہر تو جا (غصے میں جاتی ہے۔ میاں کراہتا ہے۔ دُور سے بیوی کی آواز آرہی ہے۔)

چھوڑ اپنی یہ پٹ پٹ۔ (بچہ رونے لگتا ہے) چپ نامراد، اتنا خیال نہیں بیمار پڑے ہیں۔ ٹاکٹر نے کہا ہے شور و غل نہ ہو، انھیں تکلیف ہوگی۔ چپ! خبردار جو آواز نکالی۔ گلا گھونٹ ڈالوں گی۔ (بچہ رونا بند کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے) کم بخت کا جو کھیل ہے، ایسا ہی بے ڈھنگا ہے۔ چل ادھر نہیں چپ ہو گا تو؟ (کھینچتی ہوئی لے جاتی ہے۔ میاں اس ہنگامے سے رنج ہو کر کراہے جارہا ہے۔ بیوی کی آواز غائب ہوتے ہی کمرے میں جھاڑو پھرنے کی آواز آنے لگتی ہے۔)

میاں: (چونک کر) ہوں؟ ارے بھی یہ گرد کہاں سے آنے لگی؟ لا حول ولا قوۃ۔ ارے کیا ہو رہا ہے؟

ملازم: جھاڑو دے رہا ہوں میاں!

میاں: کم بخت دفع ہو یہاں سے۔

ملازم: جھاڑو نہ دی تو خفا ہوں گی بی بی جی۔

میاں: بی بی جی کا بچہ نکل یہاں سے۔ کہہ دے ان سے۔ (ملازم جاتا ہے) کوڑا بند کر کے جا۔ (میاں کراہ کر چپ ہو جاتا ہے، ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے اور بجتی رہتی ہے۔) ارے بھی کہاں گئیں؟ ارے کوئی ٹیلی فون سننے تو آؤ۔ لا حول ولا قوۃ۔ (خود اٹھتا ہے) ہیلو، میں اشفاق بول رہا ہوں۔ بیگم اشفاق کسی کام میں مصروف ہیں۔ اس وقت کمرے میں نہیں ہیں جی۔ یہاں کوئی ایسا نہیں جو انھیں بلالائے۔ میں غلیل ہوں۔ کیا فرمایا آپ نے؟ آواز دینے کے لیے ضروری نہیں کہ گلا بھی خراب ہو۔ آپ پھر کسی وقت فون کر لیجیے گا۔ میں نے عرض کیا ناں، چوں کہ میں بیمار ہوں، کمرے سے باہر نہیں جاسکتا۔ (زور سے فون بند کرتا ہے) بد تہذیب۔۔۔ گستاخ کہیں کی۔۔۔ ہوں۔

بیوی: مجھے بلایا تھا؟ ہے تم اٹھے کیوں!

میاں: اتنی آوازیں دیں کوئی نے بھی!

بیوی: توبہ توبہ، لیٹو لیٹو، میں ذرا گودام میں چلی گئی تھی۔ لٹو کو ریٹھے نکال کر دے رہی تھی۔ بلایا کیوں تھا؟ (ہمسائے کے ہاں گانا شروع ہوتا ہے۔)

میاں: فون تھا تمہارا۔

بیوی: کس نے کیا تھا؟

میاں: ہو گا کوئی۔ اب مجھے کیا پتا؟

بیوی: جب اٹھ ہی کھڑے ہوئے تھے تو نام پوچھ لینا کوئی گناہ تھا؟

میاں: میں نے کہہ دیا تھا پھر کر لیں فون۔

بیوی: مفت کی الجھن میں ڈال دیا۔ اللہ جانے کون تھی اور کیا چاہتی تھی؟

میاں: ارے بھئی کوئی ایسا ضروری کام نہیں تھا ورنہ مجھے پیغام نہ دے دیتیں۔ تم خدا کے لیے ان ہمسائے کے صاحب نادے کا

ہار مونیم اور گانا بند کراؤ۔ میرا سر پھٹا جا رہا ہے۔

بیوی: اب اسے کیوں کر روک دوں میں؟

میاں: بابا ایک دفعہ لکھ کر بھیج دو۔ میں بیمار ہوں۔ ڈاکٹر نے کہا ہے میرے لیے آرام و سکون کی ضرورت ہے۔ ایک روز ان صاحب

زادے نے نغمہ سرائی نہ فرمائی تو دنیا کسی بہت بڑی نعمت سے محروم نہ ہو جائے گی!

بیوی: کہے تو دیتی ہوں مگر کہیں چڑ نہ جائیں۔

میاں: مناسب الفاظ میں لکھو ناں۔ ہوں (کراہتا ہے)

(بے سُرے گانے کا شور جاری ہے۔ میاں کراہ رہا ہے۔ یک لخت بچے کے رونے کی آواز)

بیوی: ارے کیا ہو گیا ننھے؟

بچہ: (زور سے) گر پڑا، خون نکل آیا۔

بیوی: (زور سے) خط لکھ رہی ہوں۔ ابھی آئی، چپ ہو جا۔

میاں: (کراہتے ہوئے) یک نہ شد دو شد۔

بیوی: توبہ آپ تو بوکھلا دیتے ہیں۔ دیکھ رہے ہیں، خط لکھ رہی ہوں۔ بچے کو چپ کیوں کر کرا سکتی ہوں؟ نامراد چپ ہو جا۔ خون نکل

آیا تو کیا قیامت آگئی؟ ابھی آرہی ہوں دو سطریں لکھ لوں۔

(میاں کراہتا ہے۔ بے سُرے گانے اور بچے کے رونے کی آواز جاری ہے۔)

میاں: ختم نہیں ہوا خط؟ جانے کیا دفتر لکھنے بیٹھ گئی ہو۔

ابھی ہوا جاتا ہے۔

(اس ٹل میں ایک فقیر کی آواز بھی شامل ہو جاتی ہے۔)

فقیر: بال بچے کی خیر۔ راہ مولا کچھ مل جائے فقیر کو۔

میاں: (کراہ کر) بس ان ہی کی کسر رہ گئی تھی۔ ہوں!

بیوی: تو اب میں تو اسے بلا کر لے نہیں آئی۔

میاں: ارے تو خدا کے لیے اسے رخصت تو کر آؤ۔

فلو: اولو! ارے اولو!

(فلو ہاون دستے میں ریٹھے کو نئے شروع کر دیتا ہے۔ بے سُرے گانے میں بچے کے رونے، فقیر کی صدا اور ہاون دستے کی

دھمک شامل ہو جاتی ہے۔)

میاں: ہائے توبہ، توبہ ہائے!

بیوی: ارے نامراد ریٹھے پھر کوٹ لیتا۔ پہلے اس فقیر کو رخصت تو کر دے۔ (فلو ریٹھے کوٹنے میں بیوی کی آواز نہیں سنا۔)

میاں (جلدی جلدی کراہتا ہوا گھبرا کر اٹھ بیٹھتا ہے۔) میری ٹوپی اور شیر وانی دینا۔

بیوی: ٹوپی اور شیر وانی!!

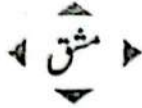
میاں: ہاں میں دفتر جا رہا ہوں۔ ابھی دفتر جا رہا ہوں۔

بیوی: ہے ہے وہ کیوں؟

میاں: آرام و سکون کے لیے۔

(امتیاز علی تاج کے ایک بابی ڈرامے)

• •



(۱) ڈراما "آرام و سکون" کے متن کے حوالے سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

- (i) ڈاکٹر کے خیال میں مریض کو دوا سے زیادہ ضرورت تھی:
- (الف) نیند کی (ب) تنہائی کی (ج) آرام و سکون کی (د) گپ شپ کی
- (ii) میاں صاحب کا نام ہے:
- (الف) اسحاق (ب) اشفاق (ج) عدنان (د) اشتیاق
- (iii) ملازم گودام میں ڈھونڈ رہا تھا:
- (الف) ہلدی (ب) ریٹھے (ج) نمک (د) مرچیں
- (iv) گھنٹی میز پر سے اٹھا کر انگلیٹھی پر رکھی تھی:
- (الف) خود میاں نے (ب) بیوی نے (ج) ملازم (للو) نے (د) ننھے نے
- (v) میاں دفتر جانے کے لیے طلب کرتا ہے:
- (الف) ٹوپی اور شیردانی (ب) ٹوپی اور جوتا (ج) ٹوپی اور مفلر (د) ٹوپی اور چھڑی

(۲) سبق "آرام و سکون" کے متن کے مطابق دیے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

- (الف) ڈاکٹر نے مریض (میاں) کو دوا کے بجائے کیا تجویز کیا؟
- (ب) گھر میں خدمت سے زیادہ شور و غل ہو تو اس سے انسانی صحت پر کیا اثر پڑتا ہے؟
- (ج) صحت مند رہنے کے لیے اچھی خوراک کے علاوہ کیا چیز درکار ہے؟
- (د) ہم سائے کی کون سی حرکت سے میاں کے آرام میں خلل واقع ہو رہا تھا؟
- (ه) میاں نے گھر میں آرام و سکون میسر نہ آنے پر کہاں جانے کو ترجیح دی؟

۳ سبق ”آرام و سکون“ کے متن کے مطابق خالی جگہیں پُر کریں۔

(الف) میرے خیال میں دوا سے زیادہ _____ کی ضرورت ہے۔

(ب) بیسیوں مرتبہ کہ چکی ہوں کہ اتنا کام نہ کرو _____ صحت سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔

(ج) جی نہیں! دوا کی _____ ضرورت نہیں۔

(د) خاموشی اعصاب کو ایک طرح کی _____ بخشتی ہے۔

(ه) _____ کو اتنا خیال بھی تو نہیں آتا کہ گھر میں کوئی بیمار پڑا ہے۔

حروف کی اقسام

حرف وہ کلمہ ہے جو نہ تو کسی شخص یا چیز کا نام ہو، نہ کسی کام کے کرنے یا ہونے کو ظاہر کرے اور نہ ہی اپنے الگ کوئی معنی رکھتا ہو بلکہ یہ مختلف کلموں کو آپس میں ملاتا اور ان کے ساتھ مل کر با معنی بنتا ہے۔ جیسے: ”نمازی مسجد میں ہے۔“ اس جملے میں لفظوں کا تعلق ”میں“ کی وجہ سے ہے اگر یہ نہ ہو تو جملہ بے معنی ہو جائے اور ”میں“ حرف ہے۔ اردو میں حروف کی بہت سی اقسام ہیں، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

• **حروف چار:** وہ حروف ہیں جو اسما اور افعال کو آپس میں ملاتے ہیں، مثلاً: میں، سے، پر، تک، ساتھ، اوپر، نیچے، لیے، واسطے، آگے، پیچھے، اندر، باہر، پاس، درمیان وغیرہ۔

• **حروف اضافت:** وہ حروف ہیں جو اسموں کے باہمی تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔ اردو میں بالعموم ”کا، کے، کی“ حروف اضافت ہیں اور زیادہ تر یہی استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً: طیب کا سکول، تنزیلہ کی گڑیا وغیرہ

• **حروف عطف:** وہ حروف ہیں جو دو اسموں کے باہمی تعلق کو ظاہر کرتے ہیں، مثلاً: امیر و غریب، احمد اور اسلم، بچہ ذرا سا جاگا پھر سو گیا۔ ان مثالوں میں ”و، اور، پھر“ حروف عطف ہیں جو دو اسموں کے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔

• **حروف استفہام:** وہ حروف ہیں جو کچھ پوچھنے یا سوال کرنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں، مثلاً: کیا، کیوں، کب، کون، کیسا، کس لیے، کس طرح، کتنا، کیوں کر، کس قدر، کہاں وغیرہ۔

• **حروف تشبیہ:** وہ حروف ہیں جو کسی ایک چیز کو کسی دوسری چیز کے مشابہ یا مانند قرار دینے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، مثلاً: مانند، کی طرح، جیسا، سا، جوں، مثل، مثال، صورت، بعینہ، ہو بہو، کا سا، کی سی وغیرہ۔

• **حروف علت:** وہ حروف ہیں جو کسی بات کی علت، وجہ یا سبب کو ظاہر کریں، جیسے: کیوں کہ، اس لیے، بدیں وجہ، بایں وجہ، بدیں سبب، تاکہ، اس لیے کہ، تا، چنانچہ، اس واسطے، اسی باعث کہ، لہذا وغیرہ۔

• **حروف شرط و جزا:** وہ حروف جو شرط کے موقع پر بولے جائیں، حروف شرط کہلاتے ہیں۔ حروف شرط کے بعد دوسرے جملے میں جو

حروف لائے جاتے ہیں، انہیں حروف جزا کہتے ہیں۔ مثلاً: اگر وہ محنت کرے تا تو کامیاب ہو جاتا۔ جب وہ آیا تب میں گیا۔

ان جملوں میں ”اگر“ اور ”جب“ حروف شرط اور ”تو“ اور ”تب“ حروف جزا ہیں۔

• حروف ضرب: وہ حروف ہیں جو ایک چیز کو دو گراہی کر کے پارتی دے کر اعلیٰ کو اوئی یا ادنیٰ کو اعلیٰ بنا دیتے ہیں، مثلاً: وہ انسان نہیں بلکہ حیوان ہے۔ یہ تروڑ بڑا ہی نہیں بلکہ میٹھا بھی ہے۔ ان دونوں مثالوں میں ”بلکہ“ حروف ضرب ہے۔

• حروف تردید: وہ حروف ہیں جو دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں، جیسے: غریب ہو یا امیر، اچھا ہو یا کہ برا، خواہ یہ لو خواہ وہ لو، چاہے رہیں چاہے چلے جائیں وغیرہ۔ جملوں میں ”یا کہ، خواہ، چاہے“ حروف تردید ہیں۔

• حرف بیان: وہ حرف جو کسی وضاحت کے لیے استعمال کیا جائے اور وہ حرف ”کہ“ ہے۔ مثلاً: جب استاد نے شاگرد سے کہا کہ سبق پڑھو۔ باپ نے بیٹے سے کہا کہ محنت سے کام لو۔ وغیرہ۔

(۳) مندرجہ ذیل حروف کی اقسام کی تعریف بیان کریں اور دو دو مثالیں دیں۔

(الف) حروف استفہام (ب) حروف تشبیہ (ج) حروف شرط و جزا (د) حروف بیان (ه) حروف تردید

سابقہ لائحہ

اردو زبان میں سابقوں اور لاحقوں کی اہمیت کسی بیان کی محتاج نہیں۔ ان کی مدد سے بے شمار الفاظ بنتے رہتے ہیں اور زبان کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہتا ہے۔

سابقہ: سابقہ سے مراد وہ علامت ہے جو نیا لفظ یا نئی ترکیب بنانے کے لیے کسی لفظ کے شروع میں لگائی جائے۔ مثلاً: خود غرض، خود شناس، خود مختار میں ”خود“ سابقہ ہے

لاحقہ: لاحقہ سے مراد وہ علامت ہے جو کسی لفظ کے آخر میں لگائی جائے۔ مثلاً: خطرناک، دردناک، غمناک میں ”ناک“ لاحقہ ہے۔

(۵) سابقوں: ”ہا، پیش، کم، ہم“ اور لاحقوں: ”آراء، پن، دار، ستان“ کی مدد سے تین تین الفاظ بنائیں۔

مکالمہ نگاری

مکالمہ کے لغوی معنی تو کلام یا گفت گو کرنے کے ہیں مگر اصطلاح میں دو یا دو سے زیادہ افراد کے مابین کسی موضوع سے متعلق گفت گو کرنے کو مکالمہ کہتے ہیں۔ اچھا مکالمہ وہ ہے جس میں روز مرہ بول چال کا انداز اور بے تکلف لب و لہجہ اختیار کیا گیا ہو اور جو حقیقی زندگی کے قریب تر ہو۔ تحریر و تقریر میں مکالمے کو خاص اہمیت حاصل ہے کیوں کہ بات چیت ہی سے کسی فرد کی شخصیت اور صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک اچھا مکالمہ لکھنے کے لیے درج ذیل امور کا ہمیشہ خیال رکھیں:

- گفت گو کرتے وقت مخاطب اور مخاطب الیہ کے مقام و مرتبہ کا خیال رکھا جائے۔
- مکالمہ لکھتے وقت زمانی اور مکانی ترتیب و تنظیم کا خیال رکھنا ضروری ہے۔
- مکالمہ نگاری میں رموز و ادا قاف کی علامتوں کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

مکالمے میں تصنیع اور بناوٹ کے بجائے فطری بے ساختگی سے کام لیا جائے۔
گفت گو کے ساتھ ساتھ جسمانی حرکات و سکنات اور اشارات کا بھی خیال رکھا جائے۔
مکالمے کا اختتام فطری انداز میں ہونا چاہیے۔

(۶) ڈراما "آرام و سکون" مکالمہ نگاری کی ایک عمدہ مثال ہے۔ اس انداز کو ملحوظ رکھتے ہوئے استاد اور اس کے دو شاگردوں کے مابین "ٹریفک کے قوانین کیوں ضروری ہیں؟" کے موضوع پر ایک مکالمہ تحریر کریں۔
سرگرمیاں:

- طلبہ سید امتیاز علی تاج کا ایک اور مزاحیہ ڈراما "ہنگام کی بلی" تلاش کریں اور اسے بہ غور پڑھیں۔
- طلبہ ڈاکٹر اور مریض کے مابین ہونے والی مفروضہ گفت گو کو مکالمے کی صورت میں لکھیں۔

اشارات تدریس

- ۱۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ بیشتر ڈراموں میں معاشرے کے ناہموار پہلوؤں کو دل چسپ اور گفتگو انداز میں موضوع بنایا جاتا ہے۔
- ۲۔ طلبہ کو یہ بھی بتائیں کہ ڈراما نگار کا مقصد باتوں ہی باتوں میں اصلاح احوال بھی ہوتا ہے۔
- ۳۔ اساتذہ کو چاہیے کہ وہ ڈراما "آرام و سکون" کی تدریس سے پہلے طلبہ کو طریقہ ڈراموں کی نوعیت سے متعارف کرائیں۔
- ۴۔ اساتذہ سید امتیاز علی تاج کا تعارف کراتے ہوئے ان کے معروف ڈرامے "انارکلی" کا بھی ذکر کریں۔





غلام عباس

(۱۹۰۹ء-۱۹۸۲ء)

شاگردوں کے

غلام عباس امرتسر (مشرقی پنجاب، انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ دیال سنگھ ہائی سکول لاہور سے میٹرک پاس کیا۔ بعد ازاں علوم شرقیہ کے امتحانات پاس کیے۔ لکھنے لکھانے کا شوق انھیں بچپن ہی سے تھا۔ ابتدائے عمر میں غیر ملکی افسانوں کے تراجم کیے۔ بچوں کے رسالے ”پھول“ اور خواتین کے رسالے ”تہذیب نسواں“ کے مدیر رہے۔ ۱۹۳۸ء میں ”آل انڈیا ریڈیو“ سے منسلک ہو گئے۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو غلام عباس بھی پاکستان آ گئے۔ کچھ عرصے بعد پنجاب ایڈوائزری بورڈ نے ان کی ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر نقد انعام سے نوازا اور حکومت پاکستان نے انھیں ”ستارہ امتیاز“ کا اعزاز پیش کیا۔

غلام عباس اردو افسانوی ادب میں کلاسیک کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کی اہم تصانیف میں تین افسانوی مجموعے: ”آنندی“، ”گن رس“ اور ”جاڑے کی چاندنی“ جب کہ تین ناولٹ: ”گوندنی والا نکلیہ“، ”جزیرہ سخن دریاں“ اور ”دھنک“ شامل ہیں۔ علاوہ ازیں انھوں نے فیلڈ مارشل صدر ایوب خان کی کتاب ”Friends, not Masters“ کا اردو ترجمہ ”جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کو تاہی“ کے نام سے کیا۔

اردو افسانہ نگاری میں غلام عباس کا مقام اہم اور منفرد ہے۔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ نہ ہونے کے باوجود ان کے افسانوں میں ترقی پسندانہ رجحانات ملتے ہیں۔ انھوں نے زندگی کی صداقت اور فن کی لطافت کو یک جا کر کے نہ صرف اردو افسانے کی اس روایت کو زندہ رکھا جس کا آغاز منشی پریم چند (۱۸۸۰ء-۱۹۳۶ء) سے ہوا تھا بلکہ اس میں اپنی شخصیت کا رنگ بھر کر اسے ترقی کی راہ پر گامزن بھی کیا۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ غلام عباس اس اردو افسانوی ادب کے آخری چراغ تھے جو پریم چند نے روشن کیا تھا۔

شامل کتاب افسانہ ”گنبد“ ان کے افسانوں کے مجموعے ”آنندی“ سے مستعار ہے جو ان کے وسیع مشاہدے اور باریک بینی کی عمدہ مثال ہے۔

• •

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شریف حسین (مروم)

آپس تمی لہے ۷ شہین لٹائی کرے!

سہ روزہ اس شہر کی جہانی کرے!

- ۱۔ طلبہ کو صدر دروازے کے باہر نام کی حتمی اور قبروں کے کتبوں کے مفہوم سے آگاہ کرنا۔
- ۲۔ طلبہ کو غلام عباس کے انسانی رنگ و اسلوب اور ان کے انسانی مجموعوں کے ناموں سے آگاہ کرنا۔
- ۳۔ طلبہ کو ضرب المثل: ”تدبیر کند بندہ، تقدیر زند خندہ“ کا مفہوم سمجھانا۔
- ۴۔ طلبہ کو سرکاری ملازمین بالعموم کلرکوں کے طور طریقوں اور ان کے کاموں کی نوعیت سے آگاہ کرنا۔
- ۵۔ طلبہ کو انسانی یا غیر انسانی نثر پارہ پڑھنے کا کہنا اور اس میں موجود معلومات سے روشناس کرنا۔

شہر سے کوئی ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر پُر فضا باغوں اور پھلواریوں میں گھری ہوئی قریب قریب ایک ہی وضع کی بنی ہوئی عمارتوں کا ایک سلسلہ ہے جو دور تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ عمارتوں میں کئی چھوٹے بڑے دفتر ہیں جن میں کم و بیش چار ہزار آدمی کام کرتے ہیں۔ دن کے وقت اس علاقے کی چہل پہل اور گہما گہمی عموماً مکروں کی چار دیواریوں ہی میں محدود رہتی ہے مگر صبح کو ساڑھے دس بجے سے پہلے اور سہ پہر کو ساڑھے چار بجے کے بعد وہ سیدھی اور چوڑی چکی سڑک، جو شہر کے بڑے دروازے سے اس علاقے تک جاتی ہے، ایک ایسے دریا کا روپ دھار لیتی ہے جو پہاڑوں پر سے آیا ہو اور اپنے ساتھ بہت سا خس و خاشاک بہا لایا ہو۔

گرمی کا زمانہ، سہ پہر کا وقت، سڑکوں پر درختوں کے سائے لمبے ہونے شروع ہو گئے تھے مگر ابھی تک زمین کی تپش کا یہ حال تھا کہ جوتوں کے اندر تلوے جھلکے جاتے تھے۔ ابھی ابھی ایک چھڑکاؤ گاڑی گزری تھی۔ سڑک پر جہاں جہاں پانی پڑا تھا بخارات اٹھ رہے تھے۔ شریف حسین کلرک درجہ دوم، معمول سے کچھ سویرے دفتر سے نکلا اور اس بڑے پھانک کے باہر آکر کھڑا ہو گیا جہاں سے تانگے والے شہر کی سواریاں لے جایا کرتے تھے۔

گھر لوٹتے ہوئے آدھے راستے تک تانگے میں سوار ہو کر جانا ایک ایسا لطف تھا جو اسے مہینے کے شروع کے صرف چار پانچ روز ہی ملا کرتا تھا اور آج کا دن بھی انھی مبارک دنوں میں سے ایک تھا۔ آج خلاف معمول تنخواہ کے آٹھ روز بعد اس کی جیب میں پانچ روپے کا نوٹ اور کچھ آنے پیسے پڑے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ اس کی بیوی مہینے کے شروع ہی میں بچوں کو لے کر میکے چلی گئی تھی اور گھر میں وہ اکیلا رہ گیا تھا۔ دن میں دفتر کے حلوائی سے دو چار پوریاں لے کر کھالی تھیں اور اوپر سے پانی پی کر پیٹ بھر لیا تھا۔ رات کو شہر کے کسی سٹے سے ہوٹل میں جانے کی ٹھہرائی تھی۔ بس بے فکری ہی بے فکری تھی۔ گھر میں کچھ ایسا اثاثہ تھا نہیں جس کی رکھوالی کرنی پڑتی، اس لیے وہ آزاد تھا کہ جب چاہے گھر جائے اور چاہے تو ساری رات سڑکوں پر گھومتا رہے۔

تھوڑی دیر میں دفتر سے کلرکوں کی ٹولیاں نکلتی شروع ہوئیں اور ان میں ٹائپسٹ، ریکارڈ کیپر، ڈسپینچر، اکاؤنٹنٹ، ہیڈ کلرک، سپرنٹنڈنٹ، غرض ادنیٰ و اعلیٰ ہر درجہ اور حیثیت کے کلرک تھے اور اسی لحاظ سے ان کی وضع قطع بھی ایک دوسرے سے جدا تھی۔ مگر

بعض ناپ خاص طور پر نمایاں تھے۔ سائیکل سوار آدمی آستینوں کی قمیص، خاکی زین کے ٹیکر اور چپل پہنے، سر پر سولا ہیٹ رکھے، کلائی پر گھڑی باندھے، رنگ دار چشمہ لگائے، بڑی بڑی توہم دو والے بابو چھاتا کھولے، منہ میں بیڑی، بغلوں میں فالتوں کے گٹھے دبائے۔ ان فالتوں کو وہ قریب قریب ہر روز اس امید میں ساتھ لے جاتے کہ جو کتھیاں وہ دفتر کے غل غپاڑے میں نہیں سلجھا سکے، ممکن ہے گھر کی ایک سوئی میں ان کا کوئی حل سوچ جائے مگر گھر پہنچتے ہی وہ گریہ ہستی کاموں میں ایسے الجھ جاتے کہ انھیں دیکھنے تک کا موقع نہ ملتا اور اگلے روز انھیں یہ مفت کا بوجھ جوں کا توں واپس لے آنا پڑتا۔

بعض منچلے تانگے، سائیکل اور چھاتے سے بے نیاز، ٹوپی ہاتھ میں، کوٹ کاندھے پر، گریبان کھلا ہوا جسے ٹن ٹوٹ جانے پر انھوں نے سیفٹی پن سے بند کرنے کی کوشش کی تھی اور جس کے نیچے سے چھاتی کے گھنے بال پسینے میں تر تر نظر آتے تھے، نئے رنگ روٹ سے، لمبے سلائے ڈھیلے ڈھالے بد قطع سوٹ پہنے اس گرمی کے عالم میں واسکٹ اور نکٹائی کالر تک سے لیس، کوٹ کی بالائی جیب میں دو دو تین تین فونٹین پین اور پنسلیں لگائے خرماں خرماں چلے آ رہے تھے۔

گو ان میں سے زیادہ تر کلرکوں کی مادری زبان ایک ہی تھی مگر وہ لہجہ بگاڑ بگاڑ کر غیر زبان میں باتیں کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اس کی وجہ وہ طمانیت نہ تھی جو کسی غیر زبان پر قدرت حاصل ہونے پر اس میں باتیں کرنے پر اکساتی ہے بلکہ یہ کہ انھیں دفتر میں دن بھر اپنے افسروں سے اسی غیر زبان میں بولنا پڑتا تھا اور اس وقت وہ باہم بات چیت کر کے اس کی مشق بہم پہنچا رہے تھے۔

ان کلرکوں میں ہر عمر کے لوگ تھے۔ ایسے کم عمر بھولے بھالے نا تجربہ کار بھی جن کی ابھی مسیں بھی پوری نہیں بھیگی تھیں اور جنھیں ابھی سکول سے نکلے تین مہینے بھی نہیں ہوئے تھے اور ایسے عمر رسیدہ جہاں دیدہ گھاگ بھی جن کی ناک پر سال ہا سال عینک کے استعمال کے باعث گہرا نشان پڑ گیا تھا اور جنھیں اس سڑک کے اتار چڑھاؤ دیکھتے دیکھتے پچیس پچیس، تیس تیس برس ہو چکے تھے۔ بیش تر کارکنوں کی پیٹھ میں گدی میں ڈانچے خم سا آگیا تھا اور کندہ استروں سے متواتر ڈاڑھی مونڈھتے رہنے کے باعث ان کے گالوں اور ٹھوڑی پر بالوں میں جڑیں پھوٹ نکلی تھیں، جنھوں نے بے شمار نفی پھنسیوں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ پیدل چلنے والوں میں بہترے لوگ بخوبی جانتے تھے کہ دفتر سے ان کے گھر کو جتنے راستے جاتے ہیں ان کا فاصلہ کتنے ہزار قدم ہے۔ ہر شخص افسروں کے چڑچڑے پن یا ماتحتوں کی نالائقی پر نالاں نظر آتا تھا۔

ایک تانگے کی سواریوں میں ایک کی کمی دیکھ کر شریف حسین لپک کر اس میں سوار ہو گیا۔ تانگا چلا اور تھوڑی دیر میں شہر کے دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ شریف حسین نے اکتی نکال کر کوچوان کو دی اور گھر کے بجائے شہر کی جامع مسجد کی طرف چل پڑا، جس کی سیڑھیوں کے گردا گرد ہر روز شام کو کھنہ فروشوں اور سستال بیچنے والوں کی دکانیں سجا کرتی تھیں اور میلا سا لگا کر تاتھا۔ دنیا بھر کی چیزیں اور ہر وضع اور ہر قماش کے لوگ یہاں ملتے تھے۔ اگر مقصد خرید و فروخت نہ ہو تو بھی یہاں اور لوگوں کو چیزیں خریدتے، مول تول کرتے دیکھنا بجائے خود ایک پر لطف تماشا تھا۔

شریف حسین پھر بار غصوں، سناسیوں، تعویذ گندے بیچنے والے سیانوں اور کھڑے کھڑے تصویر اتار دینے والے فوٹو گرافروں کے جم گھنوں کے پاس ایک ایک دو دو منٹ رکتا، سیر دیکھتا اس طرف جا نکلتا جہاں کباڑیوں کی دکانیں تھیں۔ یہاں اسے مختلف قسم کی بے شمار چیزیں نظر آئیں۔ ان میں سے بعض ایسی تھیں جو اپنی اصلی حالت میں بلاشبہ صنعت کا اعلیٰ نمونہ ہوں گی مگر ان کباڑیوں کے ہاتھ پڑتے پڑتے یا تو ان کی صورت اس قدر مسخ ہو گئی تھی کہ پہچانی ہی نہ جاتی تھی یا ان کا کوئی حصہ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا، جس سے وہ بے کار ہو گئی تھیں۔ چینی کے ظروف اور گل دان، ٹیبل لیپ، گھڑیاں، جلی ہوئی بیٹریاں، چوکٹھے، گراموفون کے گُل پرزے، جراحی کے آلات، بستار، بٹس بھرا ہرن، پیتل کے لم ڈھینگ، بدھ کا نیم قد مجسمہ۔۔۔

ایک دکان پر اس کی نظر سنگ مرمر کے ایک کھڑے پر پڑی جو معلوم ہوتا تھا کہ مغل بادشاہوں کے کسی مقبرے یا بارہ درہی سے اکٹھا کیا گیا ہے۔ اس کا طول کوئی سوافٹ تھا اور عرض ایک فٹ۔ شریف حسین نے اس کھڑے کو اٹھا کر دیکھا۔ یہ کھڑا ایسی نفاست سے تراشا گیا تھا کہ اس نے محض یہ دیکھنے کے لیے بھلا کباڑی اس کے کیا دام بتائے گا، قیمت دریافت کی۔

”تین روپے! کباڑی نے اس کے دام کچھ زیادہ نہیں بتائے تھے مگر آخر اسے اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس نے کھڑا رکھ دیا اور چلنے لگا، ”کیوں حضرت چل دیے؟ آپ بتائیے کیا دیجیے گا!“

وہ رک گیا۔ اسے یہ ظاہر کرتے ہوئے شرم سی آئی کہ اسے اس چیز کی ضرورت نہ تھی اور اس نے محض اپنے شوق تحقیق کو پورا کرنے کے لیے قیمت پوچھی تھی۔ اس نے سوچا، دام اس قدر کم بتاؤ کہ جو کباڑی کو منظور نہ ہوں۔ کم از کم وہ اپنے دل میں یہ تو نہ کہے کہ یہ کوئی کھنگا ہے جو دکان داروں کا وقت ضائع اور اپنی حرص پوری کرنے آیا ہے۔

”ہم تو ایک روپیہ دیں گے۔“ یہ کہہ کر شریف حسین نے چاہا کہ جلد جلد قدم اٹھاتا ہو کباڑی کی نظروں سے اوجھل ہو جائے مگر اس نے اس کی مہلت ہی نہ دی، ”اجی سنیے تو، کچھ زیادہ نہیں دیں گے؟ سو روپیہ بھی نہیں۔۔۔ اچھا لے جائیے۔“ شریف حسین کو اپنے آپ پر غصہ آیا کہ میں نے بارہ آنے کیوں نہ کہے۔ اب لوٹنے کے سو کوئی چارہ ہی کیا تھا۔ قیمت ادا کرنے سے پہلے اس نے اس مرمر میں کھڑے کو اٹھا کر دوبارہ دیکھا بھالا کہ اگر ذرا سا بھی نقص نظر آئے تو اس سودے کو منسوخ کر دے۔ مگر وہ کھڑا بے عیب تھا۔ نہ جانے کباڑی نے اسے اس قدر سستا کیوں بیچنا قبول کیا تھا۔

رات کو جب وہ کھلے آسمان کے نیچے اپنے گھر کی چھت پر اکیلا بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا تو اس سنگ مرمر کے کھڑے کا ایک معرِف اس کے ذہن میں آیا۔ خدا کے کارخانے عجیب ہیں۔ وہ بڑا غفور الرحیم ہے۔ کیا عجب اس کے دن پھر جائیں۔ وہ کلرک درجہ دوم سے ترقی کر کے سپرنٹنڈنٹ بن جائے اور اس کی تنخواہ چالیس سے بڑھ کر چار سو ہو جائے۔۔۔ یہ نہیں تو کم سے کم ہیڈ کلرک ہی سی۔ پھر اسے سامجے کے مکان میں رہنے کی ضرورت نہ رہے بلکہ وہ کوئی چھوٹا سا مکان لے لے اور اس مرمر میں کھڑے پر اپنا نام کندہ کر کے دروازے کے باہر نصب کر دے۔ مستقبل کی یہ خیالی تصویر اس کے ذہن پر کچھ اس طرح چھا گئی کہ یا تو وہ اس مرمر میں کھڑے کو بالکل

بے مصرف سمجھتا تھا یا اب اسے ایسا محسوس ہونے لگا گو یادہ ایک عرصے سے اس قسم کے کلزے کی تلاش میں تھا اور اگر اسے نہ خریدتا تو بڑی بھول ہوتی۔

شروع شروع میں جب وہ ملازم ہوا تھا تو اس کا کام کرنے کا جوش اور ترقی کا دلولہ انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ مگر دو سال کی سعی و حاصل کے بعد رفتہ رفتہ اس کا یہ جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور مزاج میں سکون آچلا تھا۔ مگر سنگ مرمر کے کلزے نے پھر اس کے خیالوں میں ہلچل ڈال دی۔ مستقبل کے متعلق طرح طرح کے خوش آئند خیالات ہر روز اس کے دماغ میں چکر لگانے لگے۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، دفتر جاتے، دفتر سے آتے، کوٹھیوں کے باہر لوگوں کے نام کے بورڈ دیکھ کر۔ یہاں تک کہ جب مہینہ ختم ہوا اور اسے تنخواہ ملی تو اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ سنگ مرمر کے کلزے کو شہر کے ایک مشہور سنگ تراش کے پاس لے گیا جس نے بہت چابک دستی سے اس پر اس کا نام کندہ کر کے کونوں میں چھوٹی چھوٹی خوش نما بلیں بنادیں۔ اس سنگ مرمر کے کلزے پر اپنا نام کھدایا ہوا دیکھ کر اسے ایک عجیب سی خوشی ہوئی۔ زندگی میں شاید یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اپنا نام اس قدر جلی حروف میں لکھا ہوا دیکھا تھا۔

سنگ تراش کی دکان سے روانہ ہوا تو بانار میں کئی مرتبہ اس کا جی چاہا کہ کتبہ پر سے اس اخبار کو اتار ڈالے جس میں سنگ تراش نے اسے لپیٹ دیا تھا اور اس پر ایک نظر اور ڈال لے مگر ہر بار ایک نامعلوم حجاب جیسے اس کے ہاتھ پکڑ لیتا۔ شاید وہ ماہ چلتوں کی نگاہوں سے ڈرتا تھا کہ کہیں وہ اس کتبہ کو دیکھ کر اس کے ان خیالات کو نہ بھانپ جائیں جو پچھلے کئی دنوں سے دماغ پر مسلط تھے۔

گھر کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی اس نے اخبار اتار پھینکا اور نظریں کتبہ کی دلکش تحریر پر گاڑے دھیرے دھیرے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ بالائی منزل میں اپنے مکان کے دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ جیب سے چابی نکالی، قفل کھولنے لگا۔ پچھلے دو برس میں آج پہلی مرتبہ اس پر یہ انکشاف ہوا کہ اس کے مکان کے باہر ایسی کوئی جگہ ہی نہیں کہ اس پر کوئی بورڈ لگایا جاسکے۔ اگر جگہ ہوتی بھی تو اس قسم کے کتبے وہاں تھوٹا ہی لگائے جاتے ہیں۔ ان کے لیے تو بڑا سا مکان چاہیے جس کے پھانک کے باہر لگایا جائے تو آتے جاتے کی نظر بھی پڑے۔

قفل کھول کر مکان کے اندر پہنچا اور سوچنے لگا کہ فی الحال اس کتبہ کو کہاں رکھوں۔ اس کے ایک حصہ مکان میں دو کوٹھریاں، ایک غسل خانہ اور ایک باورچی خانہ تھا۔ کوٹھری میں صرف ایک ہی الماری تھی مگر اس کے کواڑ نہیں تھے۔ بالآخر اس نے کتبہ کو اس بے کواڑ کی الماری میں رکھ دیا۔

ہر روز شام کو جب وہ دفتر سے تھکا ہارا واپس آتا تو سب سے پہلے اس کی نظر اس کتبہ ہی پر پڑتی۔ امیدیں اسے سبز باغ دکھاتیں اور دفتر کی مشقت کی مکان کسی قدر کم ہو جاتی۔ دفتر میں جب کبھی اس کا کوئی ساتھی کسی معاملے میں اس کی رہنمائی کا جو یا ہوتا تو بے برتری کے احساس سے اس کی آنکھیں چمک اٹھتیں۔ جب کبھی کسی ساتھی کی ترقی کی خبر سنا، آرزوئیں اس کے سینے میں بھجوان پیداکر دیتیں۔ انفر کی ایک ایک نگاہ لطف و کرم کا نشہ اسے آٹھ آٹھ دن رہتا۔

جب تک اس کی بیوی بچے نہیں آئے وہ اپنے خیالوں ہی میں مگن رہا۔ نہ دوستوں سے ملتا، نہ کھیل تماشوں میں حصہ لیتا، رات کو جلد ہی ہوٹل سے کھانا کھا کر گھر آجاتا اور سونے سے پہلے گھنٹوں عجیب عجیب خیالی دنیاؤں میں رہتا، مگر ان کے آنے کی دیر تھی کہ نہ تو وہ فراغت ہی رہی اور نہ وہ سکون ہی ملا۔ ایک بار پھر گرہستی کی فکروں نے اسے ایسا گھیر لیا کہ مستقبل کی یہ سہانی تصویریں رفتہ رفتہ دھندلی پڑ گئیں۔

کتبہ سال بھر تک اسی بے کواڑ کی الماری میں پڑا رہا۔ اس عرصے میں اس نے نہایت محنت سے کام کیا۔ اپنے افسروں کو خوش رکھنے کی انتہائی کوشش کی مگر اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ اب اس کے بیٹے کی عمر چار برس کی ہو گئی تھی اور اس کا ہاتھ اس بے کواڑ کی الماری تک پہنچ جاتا تھا۔ شریف حسین نے اس خیال سے کہ کہیں اس کا بیٹا کتبے کو گراندے، اُسے وہاں سے اٹھا لیا اور اپنے صندوق میں کپڑوں کے نیچے رکھ دیا۔

ساری سردیاں یہ کتبہ اس صندوق ہی میں پڑا رہا۔ جب گرمی کا موسم آیا تو اس کی بیوی کو اس کے صندوق سے فالتو چیزوں کو نکالنا پڑا۔ چنانچہ دوسری چیزوں کے ساتھ بیوی نے کتبہ بھی نکال کر کاٹھ کے اس پرانے بکس میں ڈال دیا جس میں ٹوٹے ہوئے چوکھے، بے بال کے برش، بے کار صابن دانیاں، ٹوٹے ہوئے کھلونے اور ایسی ہی اور دوسری چیزیں پڑی رہتی تھی۔

شریف حسین نے اپنے مستقبل کے متعلق زیادہ سوچنا شروع کر دیا تھا۔ دفتروں کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر وہ اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ ترقی لطیفہ غیبی سے نصیب ہوتی ہے، کڑی محنت جھیلنے اور جان کھپانے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اس کی تنخواہ میں ہر دوسرے برس تین روپے کا اضافہ ہو جاتا جس سے بچوں کی تعلیم وغیرہ کا خرچ نکل آتا اور اسے زیادہ تنگی نہ اٹھانی پڑتی، پتے در پتے مایوسیوں کے بعد جب اس کو ملازمت کرتے بارہ برس ہو چکے تھے اور اس کے دل سے رفتہ رفتہ ترقی کے تمام ولولے نکل چکے تھے اور کتبہ کی یاد تک ذہن سے محو ہو چکی تھی تو اس کے افسروں نے اس کی دیانت داری اور پرانی کارگزاری کا خیال کر کے اسے تین مہینے کے لیے عارضی طور پر درجہ اوّل کے ایک کلرک کی جگہ دے دی جو چھٹی پر جانا چاہتا تھا۔

جس روز اسے یہ عہدہ ملا، اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اس نے تانگے کا بھی انتظام نہ کیا بلکہ تیز قدم اٹھاتا ہوا پیدل ہی بیوی کو یہ مرشدہ سنانے چل دیا۔ شاید تانگا اسے کچھ زیادہ جلدی گھر نہ پہنچا سکتا!

اگلے مہینے اس نے نیلام گھر سے ایک سستی سی لکھنے کی میز اور ایک گھونسنے والی کرسی خریدی، میز کے آتے ہی اسے پھر کتبہ کی یاد آئی اور اس کے ساتھ ہی اس کی سوئی ہوئی انگلیں جاگ اٹھیں۔ اس نے ڈھونڈ ڈھانڈ کے کاٹھ کی پیٹی میں سے کتبہ نکالا، صابن سے دھویا پونچھا اور دیوار کے سہارے میز پر لگا دیا۔

یہ زمانہ اس کے لیے بہت کٹھن تھا کیوں کہ وہ اپنے افسروں کو اپنی برتر کارگزاری دکھانے کے لیے جھجھٹی پر گئے ہوئے کلرک سے ڈگنا کام کرتا۔ اپنے ماتحتوں کو خوش رکھنے کے لیے بہت سائن کا کام بھی کر دیتا۔ گھر پر آدمی رات تک فائلوں میں غرق رہتا۔ پھر

بھی وہ خوش تھا۔ ہاں جب کبھی اُسے اس کلرک کی واپسی کا خیال آتا تو اس کا دل بھجھ سا جاتا۔ کبھی کبھی وہ سوچتا، ممکن ہے وہ اپنی چھٹی کی میعاد بڑھوا لے۔۔۔ ممکن ہے وہ بیمار پڑ جائے۔۔۔ ممکن ہے وہ کبھی نہ آئے۔۔۔

مگر جب تین مہینے گزرے تو نہ اس کلرک نے چھٹی کی میعاد ہی بڑھوائی اور نہ بیمار ہی پڑا، البتہ شریف حسین کو اپنی جگہ پر آ جانا پڑا۔ اس کے بعد جو دن گزرے، وہ اس کے لیے بڑی مایوسی اور افسردگی کے تھے۔ تھوڑی سی خوش حالی کی جھلک دیکھ لینے کے بعد اب اسے اپنی حالت پہلے سے بھی زیادہ اتر معلوم ہونے لگی تھی۔ اس کا جی کام میں مطلق نہ لگتا تھا۔ مزاج میں آکس اور حرکات میں سستی سی پیدا ہونے لگی، ہر وقت بیزار بیزار سا رہتا۔ نہ کبھی ہنستا، نہ کسی سے بولتا چلتا مگر یہ کیفیت چند دن سے زیادہ نہ رہی۔ افسروں کے تہور جلد ہی اسے راہِ راست پر لے آئے۔

اب اس کا بڑا لڑکا چھٹی میں پڑھتا تھا اور چھوٹا چوتھی میں اور منجھلی لڑکی ماں سے قرآن مجید پڑھتی، سینا پر دنا سیکھتی اور گھر کے کام کاج میں اس کا ہاتھ بٹاتی۔ باپ کی میز کرسی پر بڑے لڑکے نے قبضہ جما لیا۔ وہاں بیٹھ کر وہ اسکول کا کام کیا کرتا۔ چوں کہ میز کے ہلنے سے کتبہ گر جانے کا خدشہ رہتا تھا اور پھر اس نے میز کی بہت سی جگہ بھی گھیر رکھی تھی، اس لیے اس لڑکے نے اسے اٹھا کر پھر اسی بے کواڑ کی الماری میں رکھ دیا۔

سال پر سال گزرتے گئے۔ اس عرصہ میں کتبہ نے کئی جگہیں بدلیں، کبھی بے کواڑ کی الماری میں تو کبھی میز پر۔ کبھی صندوقوں کے اوپر تو کبھی چارپائی کے نیچے۔ کبھی بوری میں تو کبھی کاٹھ کے بکس میں۔ ایک دفعہ کسی نے اٹھا کر باورچی خانے کے اس بڑے طاق میں رکھ دیا جس میں روزِ مزہ کے استعمال کے برتن رکھے رہتے تھے۔

شریف حسین کی نظر پڑ گئی، دیکھا تو دھوئیں سے اس کا سفید رنگ پیلا پڑ چلا تھا، اٹھا کر دھویا پونچھا اور پھر بے کواڑ کی الماری میں رکھ دیا مگر چند ہی روز میں اسے پھر غائب کر دیا گیا اور اس کی جگہ وہاں کاغذی پھولوں کے بڑے بڑے گلے رکھ دیے گئے جو شریف حسین کے بڑے بیٹے کے کسی دوست نے اسے تحفے میں دیے تھے۔ رنگ پیلا پڑ جانے سے کتبہ الماری میں رکھا ہو ابد نما معلوم ہوتا تھا مگر اب کاغذی پھولوں کے سرخ سرخ رنگوں سے الماری میں جیسے جان پڑ گئی تھی اور ساری کو ٹھہری دھک اٹھی تھی۔

اب شریف حسین کو ملازم ہوئے پورے بیس سال گزر چکے تھے۔ اس کے سر کے بال نصف سے زیادہ سفید ہو چکے تھے اور پیٹھ میں گڈی سے ذرا نیچے خم آ گیا تھا۔ اب بھی کبھی کبھی اس کے دماغ میں خوش حالی و فارغ البالی کے خیالات چکر لگاتے مگر اب ان کی کیفیت پہلے کی سی نہ تھی کہ خواہ وہ کوئی کام کر رہا ہو۔ تصورات کو اٹالے جاتی اور پھر بیٹی کی شادی، لڑکوں کی تعلیم، اس کے بڑھتے ہوئے اخراجات، پھر ساتھ ہی ساتھ ان کے لیے نوکریوں کی تلاش۔۔۔ یہ ایسی فکریں نہ تھیں کہ پل بھر کو بھی اس خیال کو کسی اور طرف بھٹکنے دیتیں۔ بچپن برس کی عمر میں اسے پنشن مل گئی۔ اب اس کا پیٹاریل کے مال گودام میں کام کرتا تھا۔ چھوٹا کسی دفتر میں ٹائپسٹ تھا اور اس سے چھوٹا انٹرنس میں پڑھتا تھا۔ اپنی پنشن اور لڑکوں کی تنخواہیں سب مل بلا کے کوئی ڈیڑھ سو روپے ماہوار کے لگ بھگ آمدنی ہو

جاتی تھی جس میں بڑی گزرتی ہوئی تھی۔ عاویہ اس کا ارادہ کوئی چھوٹا مونا بیوہ پار شروع کرنے کا بھی تھا مگر مندے کے ڈر سے ابھی پورا نہ ہو سکا تھا۔

اپنی کفایت شعاری اور بیوی کی سلیقہ مندی کی بدولت اس نے بڑے بیٹے اور بیٹی کی شادیاں خاصی دھوم دھام سے کر دی تھیں۔ ان ضروری کاموں سے نمٹ کر اس کے جی میں آئی کہ حج کر آئے مگر اس کی توفیق نہ ہو سکی۔ البتہ کچھ دنوں مسجدوں کی رونق خوب بڑھائی مگر پھر جلد ہی بڑھاپے کی کمزوریوں اور بیماریوں نے دہانا شروع کر دیا اور زیادہ تر چارپائی ہی پر پڑا رہنے لگا۔ جب اسے پیش و وصول کرتے تین سال گزر گئے تو جاڑے کی ایک رات کو وہ کسی کام سے بستر سے اٹھا۔ گرم گرم لحاف سے نکلا تھا۔ پچھلے پہر کی سرد اور ٹھنڈی ہوا تیر کی طرح اس کے سینے میں لگی اور اسے نمونیا ہو گیا۔ بیٹوں نے اس کے بھتیجے علاؤ معالجے کرائے۔ اس کی بیوی اور بہو دن رات اس کی بیٹی سے لگی بیٹھی رہیں مگر اتفاقاً نہ ہوا۔ وہ کوئی چار دن بستر پر پڑے رہنے کے بعد مر گیا۔ اس کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا مکان کی صفائی کر رہا تھا کہ پرانے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے ایک بوری میں اسے یہ کتبہ مل گیا۔ بیٹے کو باپ سے بے حد محبت تھی، کتبہ پر باپ کا نام دیکھ کر اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو بھر آئے اور وہ دیر تک ایک محویت کے عالم میں اس کی خطاطی اور نقش و نگار کو دیکھتا رہا۔ اچانک اسے ایک بات سوچھی جس نے اس کی آنکھوں میں چمک پیدا کر دی۔ اگلے روز وہ کتبہ کو ایک سنگ تراش کے پاس لے گیا اور اس سے کتبہ کی عبارت میں تھوڑی سی ترمیم کرائی اور پھر اسی شام اسے اپنے باپ کی قبر پر نصب کر دیا۔

(آئندہ)



(۱) درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

- (i) شریف حسین کو تانگے میں سوار ہونے کا لطف ملتا تھا:
 (الف) مہینے کے آخری روز (ب) مہینے کے ابتدائی روز (ج) مہینے کے وسط میں (د) مہینا بھر
- (ii) شریف حسین کی جیب میں کچھ رقم اس لیے تھی کہ:
 (الف) اس نے بچت کی تھی (ب) اسے تنخواہ دیر سے ملی تھی
 (ج) کہیں سے قرض مل گیا تھا (د) اس کی بیوی اور بچے میکے گئے ہوئے تھے
- (iii) لکڑیوں میں لوگ شامل تھے:
 (الف) نئے بھرتی ہونے والے (ب) ادھیڑ عمر (ج) عمر رسیدہ (د) ہر عمر کے

کے ذرے ابھی

ہام سے کردی تھیں۔

روں کی رونق خوب

م گرم گرم لحاف سے

نیرے علاج معالجے

نے کے بعد مر گیا۔

میں اسے یہ کتبہ مل

بریک ایک محویت

پیدا کر دی۔

بجرا اسی شام اسے

(آندری)

(iv) شریف حسین کے خیال میں سنگ مرمر کے ٹکڑے کا مصرف تھا کہ:

(الف) کسی کو تحفہ دیا جائے

(ب) صدر دروازے پر لگایا جائے

(ج) مطالعے کی میز پر رکھا جائے

(د) مندر پر سجایا جائے

(v) شریف حسین کی موت کے بعد سنگ مرمر کا ٹکڑا:

(الف) یوں ہی گھر میں پڑا رہا (ب) کہیں گم ہو گیا (ج) بچ دیا گیا (د) اس کی قبر کا کتبہ بنا

(۲) سبق ”کتبہ“ کے متن کے مطابق دیے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

(الف) شریف حسین اپنے دفتر میں کس حیثیت سے ملازم تھا؟

(ب) کلرکوں کی ٹولیوں میں کس طرح کے لوگ شامل تھے؟

(ج) شریف حسین نے سنگ مرمر کے نفیس ٹکڑے کا کیا استعمال سوچا تھا؟

(د) شریف حسین کی موت کن حالات میں واقع ہوئی؟

(ہ) شریف حسین کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا سنگ مرمر کے ٹکڑے کو کس مصرف میں لایا؟

(۳) دیے ہوئے الفاظ و تراکیب کے معانی لکھیں اور انہیں اپنے جملوں میں استعمال کریں۔

نقش و نگار

کواڑ

کنگلا

خس و خاشاک

ترمیم

آکس

اصنافِ نثر:

اصنافِ نثر کی معروف اقسام میں داستان، ناول، افسانہ، ڈراما، سیرت نگاری، سوانح عمری، خودنوشت، خاکہ، سفرنامہ، مکتوب

نگاری اور مضمون نویسی وغیرہ شامل ہیں۔ یہاں ہم طلبہ کو صرف داستان، ناول، افسانہ اور ڈراما کے بارے میں مختصر آبتاتے ہیں۔

داستان:

کہنے کی چیز کو کہانی کہتے ہیں۔ کہانی کا مترادف لفظ قصہ یا حکایت ہے اور داستان قصے کہانی کی قدیم ترین قسم ہے۔ کسی زمانے میں قصہ

خوانی یا داستان گوئی باضابطہ ایک فن ہوا کرتا تھا جو عربی اور فارسی سے اردو میں منتقل ہوا۔ بڑے بڑے شہروں میں داستان سننے سنانے کے لیے

باقاعدہ جگہیں اور وقت مقرر ہوا کرتے تھے، جہاں لوگ کشاں کشاں آتے اور بڑے اٹھاک سے داستان سنتے تھے۔ کچھ قدیم شہروں

خصوصاً حیدرآباد (دکن)، دہلی، لکھنؤ اور لاہور وغیرہ میں ایسی جگہوں کی نشان دہی آج بھی باسانی کی جاسکتی ہے اور پشاور کا قصہ خوانی بازار اسی

زمانے کی یادگار ہے۔ اردو میں داستان نویسی اور داستان گوئی کا سکہ تقریباً ایک صدی تک قائم رہا مگر انگریزی زبان و ادب کے فروغ نے ہمیں

داستان سے بیگانہ کر دیا اور ایک نئی صنفِ نثر کو متعارف کروایا، جسے ناول کہتے ہیں۔

جماعت نہم

جماعت نہم

ناول (Novel) انگریزی کا لفظ ہے۔ ناول کے معنی ”نیا“، ”انوکھا“ یا ”اچھوتا“ کے ہیں۔ مگر ادب کی اصطلاح میں ناول سے مراد، وہ قصہ لیا جاتا ہے جس میں واقعات خلاف قیاس نہ ہوں۔ داستان کے برعکس ناول کی بنیاد حقیقت اور فطرت پر اٹھائی جاتی ہے اور فرضی، خیالی اور مافوق الفطرت باتوں سے اجتناب کیا جاتا ہے۔

ناول کا موضوع انسان ہے اور آج کا انسان جن حالات و واقعات سے دوچار ہے، ناول ان سب کا احاطہ کرتا ہے۔ ناول آج بھی پڑھی جانے والی صنف ہے۔

تقریباً سبھی نقادانِ ادب ڈبلیو نذیر احمد (۱۸۳۰ء-۱۹۱۲ء) کو اُردو کا پہلا ناول نگار تسلیم کرتے ہیں۔

فسانہ

افسانہ جس کو انگریزی میں زبان (Short Story) کہا جاتا ہے، ایک ایسی مختصر تحریر کا نام ہے جس میں کسی واقعے، کردار یا لمحے کی جھلک دکھائی جاتی ہے۔ اُردو زبان میں افسانہ انگریزی ادب کے اثر سے آیا۔ مغربی زبانوں میں افسانے سے پہلے طویل قصے کہانیاں اور ناول لکھنے کا رواج تھا مگر جوں جوں انسان عدیم الفرست ہوتا گیا تو کسی ایسی صنفِ ادب کی ضرورت محسوس ہوئی جو کم سے کم وقت میں پڑھنے والے کو مسرت و تسکین کے لمحات میسر کر سکے۔ چنانچہ افسانہ لکھا جانے لگا۔ شامل نصاب کتاب میں غلام عباس کی تحریر ”کتبہ“ بھی ایک افسانہ ہے۔

ڈراما

ڈراما (Drama) انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ہیں: عمل کر کے دکھانا۔ ڈراما ادب کی وہ نثری صنف ہے جس میں ایک مکمل کہانی ہوتی ہے اور جسے کرداروں کی حرکات و سکنات اور مکالموں کے ذریعے سٹیج پر پیش کیا جاتا ہے۔ عام طور پر ڈرامے دو طرح کے ہوتے ہیں: المیہ اور طرییہ۔ المیہ ڈراموں میں الم ناک صورتِ حال جب کہ طرییہ ڈراموں میں خوش گوار ماحول دکھایا جاتا ہے۔ اُردو ڈرامے کی تاریخ میں آغا حشر کاشمیری (۱۸۷۹ء-۱۹۳۵ء) کا نام سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج کل ٹیلی ڈراموں کو بڑے شوق سے دیکھا جاتا ہے۔

(۴) سبق ”کتبہ“ کے متن کو مد نظر رکھ کر درست بیان کے آگے (✓) اور غلط کے آگے (X) کا نشان لگائیں۔

(الف) عمارتوں میں کئی چھوٹے بڑے دفتر ہیں جن میں کم و بیش پانچ ہزار آدمی کام کرتے ہیں۔

(ب) شریف حسین کلرک درجہ اول کچھ سویرے دفتر سے نکلا۔

(ج) شریف حسین نے چوٹی نکال کر کوچوان کو دی۔

(د) ان کلرکوں میں ہر عمر کے لوگ شامل تھے۔

طعام میں ناول سے مراد،

ہے اور فرضی، خیالی اور

ج بھی پڑھی جانے والی

100

100

100

15

ہر دار یا لمحے کی جھلک

طمانیت

اور تاول لکھنے کا رواج

منے والے کو مسرت و

افکے

10

نقہ جس میں ایک

۷۰ طرح کے ہوتے

لہر دھڑا مے کی تارخ

الحائز

10

10

سرگرمی:
• طلبہ اس افسانے (کثبہ) کو اپنے لفظوں میں ایک کہانی کی صورت میں لکھیں اور دوستوں کو سنائیں۔

اشاراتِ تدریس

- ۱۔ ”کثبہ“ پڑھانے سے پہلے طلبہ کو بتایا جائے کہ ”افسانہ“ کیا ہوتا ہے اور انھیں غلام عباس کے دیگر معروف افسانوں کے بارے میں بھی بتایا جائے۔
- ۲۔ طلبہ کو غلام عباس کے سوانحی حالات بیان کرتے ہوئے بتایا جائے کہ اُن کا اسلوب بیان زندگی کے حقائق کو بیان کرنے میں بڑا دل کش ہے اور وہ حالات و واقعات کی لفظی مرقع کاری کرتے ہیں۔
- ۳۔ طلبہ کو بتایا جائے کہ یہ انسان کی فطرت میں شامل ہے کہ وہ اپنے مستقبل کو تاب ناک کرنے کے لیے بڑے خواب دیکھتا ہے اور اس کی ساری عمر اپنے خوابوں کی تعبیر کی تلاش میں گزر جاتی ہے۔





ابن انشا

(۱۹۲۷ء-۱۹۷۸ء)

اصل نام شیر محمد خاں ہے لیکن قلمی نام ابن انشا کا اتنا چڑھا ہوا کہ لوگ اُن کا اصل نام بھول گئے۔ ضلع جالندھر (مشرقی پنجاب، انڈیا) کی تحصیل پھلور کے ایک چھوٹے سے گاؤں ”تھلہ“ میں پیدا ہوئے جہاں اُن کے والد کھیتی باڑی کرتے تھے۔ لدھیانہ سے میٹرک پاس کیا۔ مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے مگر تنگ دستی کی وجہ سے حاصل نہ کر سکے اور ملازمت کر لی لیکن ساتھ ساتھ پرائیویٹ طور پر تعلیم بھی جاری رکھی اور ۱۹۴۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کیا۔

قیام پاکستان کے بعد ابن انشا ہجرت کر کے لاہور آ گئے اور ریڈیو پاکستان سے وابستہ ہو گئے۔ وہاں سے اپنی محنت اور خدا داد صلاحیتوں کی بنا پر ترقی کرتے ہوئے سرکاری ادارے ”پاکستان نیشنل سنٹر“ کے سربراہ اور یونیسکو (UNESCO) کے پاکستان آفس کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ یونیسکو سے وابستگی کی وجہ سے ان کو مشرق و مغرب کے مختلف ممالک کے سفر کرنے کے کچھ مواقع میسر آئے جس کے نتیجے میں اُردو میں شگفتہ سفر ناموں کا خوش گوار اضافہ ہوا۔ ان کے سفر ناموں میں ”آوارہ گرد کی ڈائری“، ”دنیا گول ہے“، ”ابن بطوطہ کے تعاقب میں“، ”چلتے ہو تو چین کو چلیے“ اور ”نگری نگری پھر مسافر“ شامل ہیں۔

”اُردو کی آخری کتاب میں“ جو ”اردو کی پہلی کتاب“ کی پیروڈیوں کا مجموعہ ہے، ہمیں طنز و مزاح کے اعلیٰ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔

ابن انشا نے کتاب کے شروع میں لکھا ہے کہ یہ کتاب ذہنی بالغوں کے لیے ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ان کی نثر معمولی سمجھ رکھنے والوں کی سمجھ سے ماوراء ہے اور ان کی نثر کو سمجھنے کے لیے مطالعہ تاریخ اور جغرافیائی سرحدوں اور ان کے کلچر پر نظر ہونی چاہیے۔

شامل کتاب سبق ”ابتدائی حساب“ ان کی اسی کتاب سے مستعار ہے۔



ابتدائی حساب

مقاصد تدریس:

- ۱۔ طلبہ کو آگاہ کرنا کہ بعض نثر نگاروں کی حس مزاح بڑی تیز ہوتی ہے اور ان کی عام گفت گو میں بھی کتنی ہی لطیف پہلو موجود ہوتے ہیں۔
- ۲۔ اردو نثری ادب میں طنز و مزاح کی اہمیت واضح کرنا۔
- ۳۔ طلبہ کو انشا کے اسلوب بیان سے آگاہ کرنا اور ان کی کتابوں خصوصاً شگفتہ سفر ناموں کے بارے میں آگاہ کرنا۔
- ۴۔ طلبہ کو ”اردو کی پہلی کتاب“ از مولانا محمد اسماعیل میرٹھی کے بارے میں بتانا اور انھیں آگاہ کرنا کہ تحریف نگاری (چیروڈی) کیا ہے۔
- ۵۔ طلبہ کو علم بیان: تشبیہ، استعارہ، اور رموز و اوقاف: سکتہ، وقفہ، رابطہ، تفصیلیہ، ختمہ کے استعمال سے آگاہ کرنا۔

حساب کے چار بڑے قاعدے ہیں: جمع • تفریق • ضرب • تقسیم

جمع: جمع کے قاعدے پر عمل کرنا آسان نہیں، خصوصاً مہنگائی کے دنوں میں۔ سب کچھ خرچ ہو جاتا ہے، کچھ جمع نہیں ہو پاتا۔ جمع کا قاعدہ مختلف لوگوں کے لیے مختلف ہے۔ عام لوگ کے لیے $1 + 1 = 2$ کیوں کہ $\frac{1}{2}$ انکم ٹیکس والے لے جاتے ہیں۔ تجارت کے قاعدے سے جمع کریں تو $1 + 1$ کا مطلب ہے گیارہ۔ رشوت کے قاعدے سے حاصل جمع اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ قاعدہ وہی اچھا جس میں حاصل جمع زیادہ سے زیادہ آئے بشرطے کہ پولیس مانع نہ ہو۔ ایک قاعدہ زبانی جمع خرچ کا ہوتا ہے۔ یہ ملک کے مسائل حل کرنے کے کام آتا ہے۔ آزمودہ ہے۔

تفریق: میں سندھی ہوں، تُو سندھی نہیں ہے۔ میں بنگالی ہوں، تُو بنگالی نہیں ہے۔ میں مسلمان ہوں تُو مسلمان نہیں ہے۔ اس کو تفریق پیدا کرنا کہتے ہیں۔ حساب کا یہ قاعدہ بھی قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ تفریق کا ایک مطلب ہے، منہا کرنا، یعنی نکالنا ایک عدد میں سے دوسرے عدد کو۔ بعض عدد از خود نکل جاتے ہیں۔ بعضوں کو زبردستی نکالنا پڑتا ہے۔ ڈنڈے مار کر نکالنا پڑتا ہے۔ فتوے دے کر نکالنا پڑتا ہے۔

ایک بات اور یاد رکھیے۔ جو لوگ زیادہ جمع کر لیتے ہیں، وہی زیادہ تفریق بھی کرتے ہیں۔ انسانوں اور انسانوں میں، مسلمانوں اور مسلمانوں میں۔ عام لوگ تفریق کے قاعدے کو پسند نہیں کرتے، کیوں کہ حاصل تفریق کچھ نہیں آتا، آدمی ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔

ضرب: تیسرا قاعدہ ضرب کا ہے۔ ضرب کی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً ضرب خفیف، ضرب شدید، ضرب کاری وغیرہ۔ ضرب کی ایک اور تقسیم بھی ہے۔ پتھر کی ضرب، لاشی کی ضرب، ہندو کی ضرب۔ علامہ اقبالؒ کی ”ضرب کلیم“ ان کے علاوہ ہے۔ حاصل ضرب کا انحصار اس پر ہوتا ہے کہ ضرب کس چیز سے دی گئی ہے یا لگائی گئی ہے۔ آدمی کو آدمی سے ضرب دیں تو حاصل ضرب بھی جماعت نہم

آدمی ہی ہوتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ زندہ ہو۔ ضرب کے قاعدے سے کوئی سوال حل کرنے سے پہلے ”تعزیرات پاکستان“ پڑھ لینی چاہیے۔

تقسیم: یہ حساب کا بڑا ضروری قاعدہ ہے۔ سب سے زیادہ جھگڑے اسی پر ہوتے ہیں۔ تقسیم کا مطلب ہے بانٹنا۔ اندھوں کا آپس میں ریوڑیاں بانٹنا۔ بندر کالیوں میں روٹی بانٹنا۔ چوروں کا آپس میں مال بانٹنا۔ اہل کاروں کا آپس میں رشوت بانٹنا۔ مل بانٹ کر کھانا اچھا ہوتا ہے۔ دال تک جوتوں میں بانٹ کر کھانی چاہیے، تقسیم کا طریقہ کچھ مشکل نہیں ہے۔ حقوق اپنے پاس رکھیے، فرائض دوسروں میں بانٹ دیجیے۔ روپیہ پیسا اپنے کیسے میں ڈالیے، قناعت کی تلقین دوسروں کو کیجیے۔

ابتدائی الجبرا:

یہ بھی ایک قسم کا حساب ہے چوں کہ طالب علم اس سے گھبراتے ہیں اور یہ جبر اُڑھایا جاتا ہے، اس لیے الجبرا کہلاتا ہے۔ حساب اعداد کا کھیل ہے۔ الجبرا حرفوں کا کھیل ہے۔ ان میں سب سے مشہور حرف ”لا“ ہے۔ اس کے معنی کچھ نہیں بلکہ یہ ایسا ہے کسی اور لفظ کے ساتھ لگ جائے تو اس کے معنی بھی سلب کر لیتا ہے۔ جس طرح لامکاں، لادوا، لاولد وغیرہ۔ بعض مستثنیات بھی ہیں۔ مثلاً لاہور، لاڑکانہ، لالٹین، لالو کھیت وغیرہ۔ اگر ان لفظوں کے ساتھ لانہ ہو تو ہور، ژکانہ، لٹین اور لو کھیت کے کچھ معنی نہ نکلیں۔ آزمائے کو آزمانا جہل کہتے ہیں لیکن الجبرا میں آزمائے کو ہی آزماتے ہیں۔ اچھے خاصے پڑھے لکھوں کو نئے سرے سے ”اب ج“ سکھاتے ہیں بلکہ ان کے مربے بھی نکھاتے ہیں۔ الجبرا اکا ہماری طالب علمی کے زمانے میں کوئی خاص مصرف نہ تھا۔ اس سے صرف اسکولوں کے طلبہ کو فیل کرنے کا کام لیا جاتا تھا لیکن آج کل یہ عملی زندگی میں خاصا استعمال ہوتا ہے۔ دکان دار اور گداگر اس قاعدے کو زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ پیسالا، اور لا اور لا۔ بعض رشتوں میں الجبرا یعنی جبر کا شائبہ ہوتا ہے، جیسے: سدران لا، فادران لا وغیرہ۔

ابتدائی جیومیٹری:

جیومیٹری لکیروں کا کھیل ہے۔ علمائے جیومیٹری کو ہم لکیر کے فقیر کہہ سکتے ہیں۔ دنیا نے اتنی ترقی کر لی، ہر چیز بشمول سائنس اور مہنگائی کہاں سے کہاں پہنچ گئی، لیکن جیومیٹری والوں کے ہاں اب تک ناویہ قائمہ ۹۰ درجہ کا ہوتا ہے اور مثلث کے اندرونی زاویوں کا مجموعہ ۱۸۰ درجے سے تجاوز نہیں کر پایا۔ امریکا اور روس ہر معاملہ میں لڑتے ہیں، اس معاملے میں ملی بھگت ہے۔ ہم اپنے ملک میں اپنی پسند کا نظام لائیں گے تو اپنی اسمبلی میں ایک قانون بنوائیں گے، چند درجے ضرور بڑھائیں گے۔ مستطیل بھی پرانے زمانے میں جیسی چورس ہوتی تھی، ویسی آج کل ہے۔ گول کرنا تو بڑی بات ہے کسی کو یہ توفیق تک نہ ہوئی کہ اس کے چارے پانچ یا چھ ضلعے کر دیں۔ ایک آدھ فالتور ہے تو اچھا ہی ہے۔ مغربی پاکستان کے ضلعوں میں ہم رد و بدل کرتے ہیں تو مستطیل وغیرہ کے ضلعوں میں کیوں نہیں کر سکے۔

جیومیٹری میں بنیادی چیزیں ہیں: خط، نقطہ، دائرہ، مثلث وغیرہ۔ اب ہم تھوٹا تھوٹا حال ان کا لکھتے ہیں:

خط: خط کی کئی قسمیں ہیں:

خط مستقیم: بالکل سیدھا ہوتا ہے، اس لیے اکثر نقصان اٹھاتا ہے۔ سیدھے آدمی بھی نقصان اٹھاتے ہیں۔

جماعت نہم

۷۱

یہ نیز ہوتا ہے بالکل کھیر کی طرح، لیکن اس میں میٹھا نہیں ڈالا جاتا۔
اسے فرشتے کچی سیاحی سے کھینچتے ہیں۔ یہ مستقیم بھی ہوتا ہے منحنی بھی۔ اس کا مٹانا مشکل ہوتا ہے۔

اس پر لگانے والے ٹکٹ نہیں لگاتے۔ ہمیں دگنے پیسے دینے پڑتے ہیں۔

یہ وہ خط ہے جس میں ڈاکٹر لوگ نسخے لکھتے ہیں۔ تبھی تو آج کل اتنے لوگ بیماریوں سے نہیں مرتے جتنے غلط دواؤں کے استعمال سے مرتے ہیں۔

یہ اس لیے ہوتا ہے کہ کہیں تو دنیا میں دن رات برابر ہوں، کہیں تو مساوات نظر آئے۔

توازن خطوط: یہ ویسے تو آمنے سامنے ہوتے ہیں، لیکن تعلقات نہایت کشیدہ۔ ان کو کتنا بھی لمبا کھینچ کے لے جائیے یہ کبھی آپس میں نہیں ملتے۔ کتابوں میں یہی لکھا ہے لیکن ہمارے خیال میں ان کو ملانے کی کوئی سنجیدہ کوشش کبھی بھی نہیں کی گئی۔
آج کل بڑے بڑے ناممکنات کو ممکن بنا دیا گیا ہے تو یہ کس شمار قطار میں ہیں۔

نقطہ (.) : نقطہ یعنی بندی یعنی پوائنٹ۔ یہ محض کسی جگہ کی نشاندہی کے لیے ہوتا ہے۔ جیومیٹری کی کتابوں میں آیا ہے کہ نقطہ جگہ نہیں گھیرتا۔ ایک آدھ نقطے کی حد تک یہ بات صحیح ہوگی لیکن پچھے نقطوں سے تو آپ سارا پاکستان گھیر سکتے ہیں۔

دائرہ: دائرے چھوٹے بڑے ہر قسم کے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ قریب قریب سبھی گول ہوتے ہیں۔ ایک اور عجیب بات ہے کہ ان میں قطر کی لمبائی ہمیشہ نصف قطر سے ڈگنی ہوتی ہے۔ جیومیٹری میں اس کی کوئی وجہ نہیں لکھی گئی۔ جو کسی نے پرانے زمانے میں فیصلہ کر دیا، اب تک چلا آرہا ہے۔ ایک دائرہ اسلام کا دائرہ کہلاتا ہے۔ پہلے اس میں لوگوں کو داخل کیا کرتے تھے، آج کل داخلہ منع ہے، صرف خارج کرتے ہیں۔

مختصات: تھکون کے تین کونے ہوتے ہیں۔ چار کونوں والی بھی ہوتی ہوں گی، لیکن ہمارے ملک میں نہیں پائی جاتیں۔ کم از کم ہماری نظر سے نہیں گزریں۔

(اُردو کی آخری کتاب)

Bearing (۱) یہ معنی برداشت کرنا۔ یہاں مفہوم ڈاک خرچ برداشت کرنا ہے۔



(۱) درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

- (i) زبانی جمع خرچ کا قاعدہ جو آزمودہ ہے، کام آتا ہے:
 (الف) بچوں کو بہلانے کے لیے
 (ب) دوستوں کو ٹرخانے کے لیے
 (ج) گھر کے مسائل حل کرنے کے لیے
 (د) ملکی مسائل حل کرنے کے لیے
- (ii) ”میں مسلمان ہوں، تو مسلمان نہیں ہے“ اس کو کہتے ہیں:
 (الف) جمع کرنا
 (ب) تفریق پیدا کرنا
 (ج) لڑائی کرنا
 (د) ضرب دینا
- (iii) آدمی کو آدمی سے ضرب دیں تو حاصل ضرب ہوتا ہے:
 (الف) آدمی
 (ب) ایک بکری
 (ج) ایک بھیڑ
 (د) ایک گائے
- (iv) سب سے زیادہ جھگڑے ہوتے ہیں:
 (الف) جمع کے قاعدے پر
 (ب) تفریق کے قاعدے پر
 (ج) ضرب کے قاعدے پر
 (د) تقسیم کے قاعدے پر
- (v) خط استوا ہوتا ہے جہاں:
 (الف) سمندر ہی سمندر ہے
 (ب) دن بڑے ہوتے ہیں
 (ج) راتیں بڑی ہوتی ہیں
 (د) دن رات برابر ہوتے ہیں
- (vi) عجیب بات ہے کہ قطر کی لمبائی ہوتی ہے ہمیشہ نصف قطر سے:
 (الف) ڈگنی
 (ب) سہ گنی
 (ج) چار گنی
 (د) کئی گنا بڑی

(۲) سبق ”ابتدائی حساب“ کے متن کے مطابق دیے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

- (الف) مصنف کے مطابق جمع کے قاعدے پر عمل کرنا آسان کیوں نہیں ہے؟
 (ب) تقسیم کرنے کا طریقہ کب آسان ہوتا ہے؟
 (ج) مصنف کی طالب علمی کے زمانے میں الجبرے کا خاص مصنف کیا تھا؟
 (د) مستطیل کے چار کے بجائے پانچ یا چھ ضلعے کر دینے سے مصنف کیا مراد لیتے ہیں؟

(۱) مصنف کے نزدیک خط کی کتنی قسمیں ہیں اور وہ کون کون سی ہیں؟

(۲) مصنف نے دائرے کے گول ہونے کی کیا وجہ لکھی ہے؟

(۳) سبق ”ابتدائی حساب“ کے متن کے حوالے سے دیے ہوئے جملوں میں خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) قاعدہ وہی اچھا ہے جس میں _____ زیادہ سے زیادہ آئے۔

(ب) بعض عدد خود نکل جاتے ہیں، بعضوں کو _____ نکالنا پڑتا ہے۔

(ج) علامہ اقبالؒ کی _____ ان کے علاوہ ہے۔

(د) چوں کہ طالب علم اس سے گھبراتے ہیں اور یہ جبراً پڑھایا جاتا ہے اس لیے _____ کہلاتا ہے۔

(ه) علمائے _____ ہم لکیر کے فقیر کہہ سکتے ہیں۔

(و) یہ اس لیے ہوتا ہے کہ کہیں تو دنیا میں دن رات _____ ہوں، کہیں تو مساوات نظر آئے۔

علم بیان:

تحریر و تقریر کی خوبیوں کے ذکر اور ان کی بحث کو علم بیان کہتے ہیں۔

علم بیان کی چار قسمیں ہیں: تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل، کنایہ۔

تشبیہ: جب کسی چیز کو مشترکہ صفت کی بنا پر اس کی کیفیت اور صورتِ حال کو مزید پُر تاثیر بنانے کے لیے کسی دوسری چیز کے مانند

قرار دیا جائے تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔ جس چیز کو تشبیہ دیں اُسے مشبہ، جس چیز کے ساتھ تشبیہ دیں اُسے مشبہ بہ، وہ صفت جس

کی بنیاد پر تشبیہ دی جائے، اسے وجہ شبہ اور وہ کلمہ یا حرف جو مشبہ اور مشبہ بہ کو ملائے، اسے حرف تشبیہ کہتے ہیں۔

ارکان تشبیہ: تشبیہ کے چار ارکان ہوتے ہیں: مشبہ، مشبہ بہ، وجہ شبہ اور حرف تشبیہ۔ جیسے: یہ کاغذ دودھ کی طرح سفید ہے۔

اس جملے میں ”کاغذ“ مشبہ ہے، ”دودھ“ مشبہ بہ ہے، ”سفید“ وجہ شبہ ہے اور ”کی طرح“ حرف تشبیہ ہے۔

استعارہ: جب ہم کسی لفظ کو حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال کریں کہ اس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں

تشبیہ کا تعلق ہو تو اسے اصطلاح میں استعارہ کہتے ہیں۔

ارکان استعارہ: استعارے کے تین ارکان ہوتے ہیں: مستعار لہ (جس کے لیے استعارہ لیا جائے)، مستعار منہ (جس سے استعارہ لیا

جائے) اور وجہ جامع (مشترکہ صفت)۔ جیسے: ایک بلبل کہ ہے محو ترنم ہے اب تک

علامہ اقبال کے اس مصرعے میں بلبل کا لفظ استعارہ ہے جو علامہ اقبال نے اپنی ذات کے لیے استعمال کیا ہے۔ ”علامہ اقبال“

(جن کا مذکور نہیں) مستعار لہ ہے، ”بلبل“ کا لفظ مستعار منہ ہے اور ”ترنم“ کا لفظ وجہ جامع ہے۔

2

(الف) یہ خبر بوزہ شہد کی طرح میٹھا ہے۔

(ج) شیر کے آتے ہی زن کانپ اٹھا۔

وہابیہ:

رموزِ اوقاف

رموزِ اوقاف سے مراد وہ علامتیں ہیں جو تحریر میں ایک جملے کو دوسرے جملے یا کسی جملے کے ایک حصے کو دوسرے حصوں سے علیحدہ کریں۔ اردو میں رموزِ اوقاف کے طور پر کافی علامتیں استعمال ہوتی ہیں، یہاں ہم صرف پانچ علامتوں کا محلِ استعمال واضح کرتے ہیں:

سکتہ (،) اس علامت کو وقفِ خفیف بھی کہا جاتا ہے۔ یہ علامت تحریر میں سب سے کم توقف کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ جہاں یہ علامت آئے وہاں پڑھنے والے کو بغیر سانس ٹوٹے بالکل ذرا سی دیر کے لیے ٹھہرنا چاہیے۔ جیسے: لاہور، سیال کوٹ، گجرات، ملتان اور سرگودھا پنجاب کے بڑے بڑے شہر ہیں۔

وقفہ (؟) اس علامت کو نصف وقف بھی کہا جاتا ہے۔ یہ علامت سکتے سے ذرا زیادہ ٹھہراؤ کے لیے آتی ہے۔ یہ علامت دو مقاصد کے تحت استعمال ہوتی ہے: جب ایک طویل جملے میں چھوٹے چھوٹے جملے یا کسی جملے کے مختلف اجزا پر زور دینا مقصود ہو۔ جیسے: جو کرے گا، سو بھرے گا؛ جو بوئے گا، سو کاٹے گا۔

رابطہ (:): اس علامت کا ٹھہراؤ، جسے وقف لازم بھی کہا جاتا ہے، وقفے سے قدرے زیادہ ہوتا ہے اور اس علامت کا استعمال وہاں کیا جاتا ہے جہاں توقف کرنا لازم ہو بصورت دیگر عبارت کے خلط ملط ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ جیسے: ماں نے بیٹے سے کہا: ”بیٹا! محنت کرو، محنت کا اجر ضرور ملتا ہے۔“

تفصیلیہ (-): اس علامت کا استعمال جیسا کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے، وہاں کیا جاتا ہے جہاں کسی بات کی تفصیل بیان کی جائے، جیسے: علامہ اقبالؒ نے الہ آباد کے مقام پر خطبہ صدارت دیتے ہوئے فرمایا:-.....

ختمہ (-) اس علامت کو، جسے انگریزی میں فل سٹاپ کہتے ہیں، جملے کے خاتمے پر لگایا جاتا ہے لیکن جہاں سکتہ، وقفہ، وقفہ لازم یا تفصیلیہ کا محل استعمال ہو، وہاں ختمہ کی علامت کا استعمال ہرگز درست نہیں۔ جیسے: دنیا دار العمل ہے۔

(۵) درج ذیل جملوں میں رموزِ اوقاف کی علامتوں: سکتہ، وقفہ، رابطہ، تفصیلیہ اور ختمہ کا استعمال کریں۔

(الف) آج موسم بڑا خوش گوار ہے

(ب) قائد اعظمؒ کا فرمان اتحاد تنظیم اور یقین محکم ہمارے لیے آج بھی مشعل راہ ہے

دور کش کے فائدے حسب ذیل ہیں

(۲) جاپان چین سنگاپور جنوبی کوریا اور فلپائن کا شمار ایشیا کے ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا ہے

(۳) آنا تو خفا آنا جانا تو زلا جانا

(۶) اعراب کی مدد سے تلفظ واضح کریں۔

بندی

منحی

مثالث

الجبرا

تقسیم

تفریق

(۷) درج ذیل پیرا گراف توجہ سے پڑھیں اور آخر میں دیے گئے سوالوں کے جواب تحریر کریں۔

بچت کرنا ایک ایسا عمل ہے جس میں آپ اپنی آمدنی یا پیسوں کا کچھ حصہ خرچ کیے بغیر محفوظ رکھتے ہیں تاکہ اسے مستقبل میں کسی ضروری کام یا مقصد کے لیے استعمال کیا جاسکے۔ یہ پیسے جمع کرنے کی عادت آپ کو غیر متوقع حالات، جیسے کہ ہنگامی اخراجات یا بڑی خریداریوں کے لیے مالی تحفظ فراہم کرتی ہے۔ بچت کا مقصد صرف پیسے محفوظ کرنا نہیں ہوتا، بلکہ یہ مستقبل کی ضروریات اور خواہشات کو پورا کرنے کے لیے منصوبہ بندی کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ بچت کرنے سے مالیاتی آزادی اور استحکام حاصل کیا جاسکتا ہے، جس سے آپ زندگی میں اپنے اہداف کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

سوالات: (الف) بچت کرنے سے کیا مراد ہے؟ (ب) بچت کرنے کے کیا فائدے ہیں؟

(ج) کیا بچت کرنے کا مقصد محض اپنی رقم محفوظ کرنا ہے؟

(د) بچت سے کس طرح مالیاتی آزادی اور خود مختاری حاصل کی جاسکتی ہے؟

(و) اس عبارت کا موزوں عنوان تجویز کریں۔

سرگرمیاں:

- طلبہ اپنی کاپی میں جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم کے قاعدوں کے مسئلہ اصول لکھیں۔
- طلبہ ایک فہرست بنائیں جس میں مصنف کے بیان کردہ تمام قاعدوں کی ایک ایک سطر مزاحیہ تفصیل لکھیں۔

اشارات تدریس

- ۱۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ مزاحیہ ادب اپنے ظاہری رویوں میں سنجیدہ ادب سے قطعاً مختلف چیز ہے۔
- ۲۔ طلبہ پر واضح کر دیا جائے کہ مزاح کے لیے کوئی خاص صنف مخصوص نہیں بلکہ یہ کسی بھی صنف کی صورت میں لکھا جاسکتا ہے۔
- ۳۔ اس سبق میں ریاضی کے جن جن قاعدوں کا تذکرہ آیا ہے، ان کی اصل صورت حال سے طلبہ کو آگاہ کیا جائے۔
- ۴۔ طلبہ کو ”اردو کی پہلی کتاب“ از مولانا محمد حسین آزاد کے بارے میں بتایا جائے تاکہ وہ مصنف کی مزاحیہ تحریر سے محفوظ ہو سکیں۔



رضا علی عابدی

(ولادت: ۳۰ نومبر ۱۹۳۵ء)

رضا علی عابدی روڈ کی، ضلع ہری دوار (اٹرکھنڈ، انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا تعلق لکھنؤ سے تھا۔ ۱۹۵۰ء میں کراچی (پاکستان) آگئے۔ انھیں بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے کا شوق تھا چنانچہ طالب علمی کے زمانے ہی میں اپنے زورِ مطالعہ کی مدد سے فنِ خبرنگاری سے مکمل واقف ہو چکے تھے جس کی بنا پر انھوں نے بیس برس کی عمر میں پہلی بار بایس ہاتھ سے انگریزی خبر کا ترجمہ کیا۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے عرصے میں وہ عملی طور پر روزنامہ ”حریت“ کے ساتھ منسلک تھے، چنانچہ جنگ کے تمام حالات و واقعات کو روزنامہ ”حریت“ میں رپورٹ کرتے رہے۔

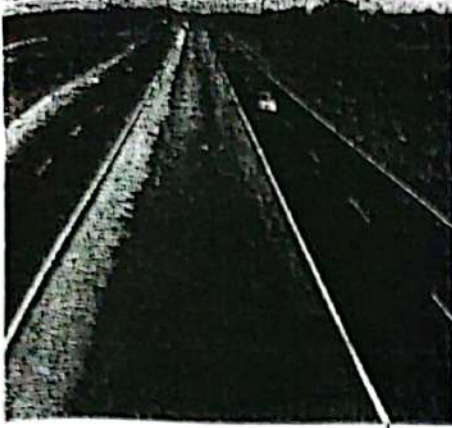
اس کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے برطانیہ چلے گئے اور پھر وہیں ۱۹۷۲ء میں بی بی سی سے منسلک ہو کر عملی زندگی کا آغاز کیا اور کچھ ہی عرصے میں بی بی سی اردو کے پروگراموں کو اس دل نشیں انداز میں پیش کیا کہ دنیا بھر کے اردو بولنے والوں کے دلوں میں اردو کی قدر و منزلت بڑھادی اور اسی پلیٹ فارم سے ریڈیائی دستاویزی پروگراموں کی وجہ سے خاصی شہرت پائی، جہاں سے وہ ۱۹۹۶ء میں ریٹائر ہوئے۔

رضا علی عابدی، جنھیں اردو، سندھی، عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں پر بڑا عبور حاصل ہے، بڑے بسیار نویس ہیں۔ وہ تادمِ تحریر تیس سے زیادہ کتابیں تصنیف کر چکے ہیں جن میں ”جرنیلی سڑک“، ”شیر دریا“، ”جہازی بھائی“، ”ریل کہانی“، ”پہلا سفر“، ”کتاب خانہ“، ”اردو کا حال“، ”اپنی آواز“، ”کتابیں اپنے آبا کی“ اور ”جانے پہچانے“ شامل ہیں۔ ان میں سے نصف تصانیف کے مخاطب بچے ہیں۔ یوں تو رضا علی عابدی کی ہر تصنیف ہی اہم ہے مگر اس وقت ہمارے سخن اُن کے سفر نامے ”جرنیلی سڑک“ کی طرف ہے۔ یہ طویل جرنیلی سڑک جسے ”جی ٹی روڈ“ بھی کہا جاتا ہے اور جو موجودہ بنگلہ دیش کو افغانستان کے ساتھ ملاتی ہے، برعظیم کے حکمران شیر شاہ سوری (۱۵۴۲ء-۱۵۴۵ء) نے اپنے دورِ اقتدار میں تعمیر کرایا تھا۔ اس سڑک کی چھان بین میں رضا علی عابدی نے ایک ماہ تک مسلسل سفر کیا۔ اس کتاب میں جرنیلی سڑک پر واقع تمام اہم آبادیوں، اُن کی وجہ تسمیہ اور ثقافت کا تذکرہ ہے۔ مصنف کی یہ تحریر طنز و مزاح، اُداسیوں اور خوشیوں کے مختلف رنگوں سے مزین ہے۔



لڑی میں پروئے ہوئے منظر

جی۔ ٹی۔ روڈ



مقاصد تدریس

- ۱۔ طلبہ کو اردو میں سفر نامے کی روایت سے آگاہ کرنا۔
- ۲۔ طلبہ کو بتانا کہ جرنیلی سڑک کا دو سرانام جی ٹی روڈ ہے اور یہ سڑک سارگاؤں (بنگلہ دیش) سے لے کر کابل (افغانستان) تک تقریباً تین ہزار چھ سو کلومیٹر لمبی ہے اور اسے پہلے پہل شیر شاہ سوری (۱۳۷۲ء-۱۵۳۵ء) نے اپنے دور اقتدار میں تعمیر کرایا تھا۔
- ۳۔ رضا علی عابدی کے حوالے سے طلبہ کی معلومات میں اضافہ کرنا کہ ”لڑی میں پروئے ہوئے منظر“ میں محذوہ باتیں سنی سنائی باتیں نہیں بلکہ یہ تمام باتیں مصنف کی دریافت ہیں۔
- ۴۔ طلبہ کو متشابہ الفاظ اور رموز و قاف: ندائیہ، فجائیہ، وادین، قوسین اور خط کے استعمال سے آگاہ کرنا۔

عجیب سڑک ہے یہ جرنیلی سڑک بھی۔

آپ اس پر چلیں اور شعور کی آنکھیں کھلی رکھیں تو جتنے اور جیسے منظر اس ماہ میں آتے ہیں، شاید ہی کہیں آتے ہوں۔ آپ چلتے جاتے ہیں اور ایک نہایت آباد سرزمین کی معاشرت، معیشت اور تاریخ آپ کے ہم ماہ چلتی ہے۔ کہیں حیرت آپ کے قدم سے قدم ملا کر چلنے لگتی ہے اور کہیں عبرت۔ منظر بدلتے جاتے ہیں مگر وہ لڑی نہیں بدلتی جس میں وہ سارے کے سارے پروئے ہوتے ہیں۔

میں پشاور سے چلا تو بالا حصار کے نیچے ایک پتھر لگا ہوا نظر آیا۔ اس پر بڑے حرفوں میں ”شاہراہ پاکستان“ لکھا تھا اور کسی وزیر کا نام لکھا تھا جس نے کبھی وہ پتھر وہاں لگایا ہو گا۔

کیسادل چسپ اتفاق ہے۔ سڑک اور وزیر دونوں آنی جانی چیزیں ہیں۔ وادی پشاور اب بھی بہت سرسبز نظر آرہی تھی۔ جن زمینوں کو آتے جاتے لشکروں نے بار بار روندنا ہو گا وہ اب تک ہری بھری تھیں۔ کبھی ریلوے لائن سڑک کے قریب آجاتی تھی۔ کبھی بجلی کے بڑے بڑے کھمبے اور موٹے موٹے تار ساتھ ساتھ دوڑنے لگتے تھے۔ بستیاں آتی تھیں اور گزر جاتی تھیں۔ رمضان کا مہینا تھا، ان کے چائے خانے بند پڑے تھے۔ اس تمازت کے عالم میں کہیں سے اچانک دریائے کابل آگیا۔ یہ نوشہرہ کے قریب آجانے کی پہچان تھی۔

یہ شہر شاید اکبر نے آباد کیا تھا۔ کبھی یہاں دریا کے دائیں کنارے پر نوشہرہ خورد اور بائیں کنارے پر نوشہرہ کلاں، یہ دو گاؤں تھے۔ ایک سرائے بھی تھی جس میں جہانگیر ٹھہرا تھا۔ ایک قلعہ بھی تھا مگر تمام سرائیں اور قلعے گزرتے قافلوں کی گرد میں مل کر خود بھی گرد ہو جایا کرتے ہیں۔

اب ہم دریا دریا چل رہے تھے۔ جہاں تک نگاہ جاتی تھی وہاں تک زمین تھی، اس کے آگے بھی زمین تھی اور ان ہی زمینوں میں

جماعت نہم

وہ چھوٹا سا گاؤں، لاہور، آج بھی آباد تھا جس میں سنسکرت قواعد کا سب سے بڑا عالم پائینی پیدا ہوا تھا۔

کچھ اور آگے ایک اور گاؤں ”ہنڈ“ تھا۔ اس مشینی دور میں یہ جاننے کی فرصت کسے ہے کہ یہی ہنڈ کبھی گندھارا کا پایہ تخت تھا۔ یہیں آکر سکندر نے (دریائے) سندھ پار کیا اور چنگیز خاں یہیں سے دریا کا پاٹ دیکھ کر واپس چلا گیا تھا۔ یہیں محمود غزنوی نے پنجاب کے راجا جے پال کو شکست دی تھی۔ اسی کو موزخوں نے ہندوستان کا دروازہ کہا تھا۔ مگر اب یہ دریائے سندھ کے کنارے ایک گم نام سا گاؤں ہے جس کا ماضی تاریخ کی دھندلی چادر اورھ کر کبھی کا سوچ کا ہے۔ اچانک خیر آباد آگیا۔ سامنے دریائے سندھ شاہانہ انداز میں بہا چلا جا رہا تھا جس کے دوسرے کنارے پر عظیم الشان قلعہ انک تھا، اکبر اعظم کا انک بنارس، چار صدیوں کا عینی شاہد، کتنے ہی زمانوں کا چشم دید گواہ۔ انک کے قلعے میں اب فوج رہتی ہے۔

یہاں ہماری گاڑی نے نئے پل کے راستے دریا پار کیا۔ انگریزوں کا بنایا ہوا لوہے کا پل سامنے نظر آتا رہا۔ کبھی ساما ٹریفک اس مضبوط پل کے اوپر چلا کرتا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ گاڑی لوہے کے جنگل سے گزر رہی ہے۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ انگریز چلتے وقت بتا گئے تھے کہ ان کے تمام پلوں کی عمر پورے ایک سو برس ہوگی، اس کے بعد نئے پل بنانا۔ جس روز میں انک پہنچا یہ پل ایک سو دو سال پرانا ہو چکا تھا۔ موٹر گاڑیاں نئے پل پر چلتی ہیں۔ ریل گاڑیاں اب بھی دعائیں دم کر کے اسی بوڑھے پل پر سے گزاری جاتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ انک کا یہ نام اکبر بادشاہ نے رکھا تھا۔ نام رکھنے کا اُسے بڑا شوق تھا۔ کسی جگہ کا خوب صورت منظر دیکھ کر اس کے منہ سے بے ساختہ ”واہ“ نکلی۔ اُس مقام کا نام ”واہ“ رکھ دیا گیا۔ پھر چلتے چلتے اُس کا قافلہ دریائے سندھ کے کنارے پہنچ کر انک گیا، وہ جگہ ”انک“ کہلائی۔ پھر قافلہ خیر سے پار اتر گیا، وہ مقام ”خیر آباد“ کہلایا۔

اس کی ایک کہانی اور بھی ہے۔ اکبر نے اپنے پیش رو شیر شاہ سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ بہت سے کام جو اکبر نے کیے، ان کی بنیاد شیر شاہ رکھ گیا تھا۔ شیر شاہ کی مملکت بہار سے پنجاب تک پھیل گئی تھی۔ اس کے ایک سرے پر بہار میں قلعہ رُہتاس تھا۔ اس کے دوسرے سرے پر پنجاب میں لگھڑوں کی سر زمین پر شیر شاہ نے دوسرا قلعہ بنوایا تو اس کا نام بھی رُہتاس رکھا۔ بالکل اسی طرح اکبر کی مملکت کے ایک کنارے پر انک تھا، دوسرے کنارے کا نام اس نے انک رکھا۔ یہاں کشتیاں چلانے اور دریا پار کرانے کے لیے اکبر بنارس سے ملاح لایا اور اس خیال سے کہ وہ اب اسی جگہ کو وطن سمجھیں۔ اس چھوٹے سے شہر کو انک بنارس کا نام دے دیا گیا۔ ملاحوں کی گزر بسر کے لیے جاگیر اور رہنے کے لیے شہر میں ایک محلہ دیا گیا جو ”ملاحی ٹولہ“ کہلاتا ہے اور جہاں پرانے ملاحوں کی آل اولاد اب تک آباد ہے۔

اس کے پاس جہانگیر کے زمانے کی سرائے ہے۔ بہت بڑا احاطہ ہے جس کے گرد مسافروں کے لیے سیکڑوں کمرے ہیں۔ اس کے بعد کلکتہ تک اتنی اچھی حالت میں کوئی سرائے نظر نہیں آئی۔

نور قلعے کا قیصر یہ ہے کہ مغلوں نے اسے کابل والوں سے چھینا، کابل والوں سے اسے سکھوں نے چھینا، انگریزوں نے سکھوں سے چھینا، سکھوں نے دوبارہ انگریزوں سے چھینا، انگریزوں نے دوبارہ سکھوں سے چھینا۔ اس چھینا چھپی کے باوجود یہ قلعہ آج تک کھڑا ہے اور جو اس سے بھی زیادہ مستعدی سے کھڑا ہے وہ دریا پار پنجاب کے علاقے میں داخل ہونے والی گاڑیوں کی تلاشی لینے والا کسٹم اور ایکسز کا عملہ ہے۔

ہمیں یاد ہے کسی زمانے میں جب ہم جیسے چھوٹے لوگ لنڈی کوتل سے غیر ملکی کپڑا، بلیڈ، صابن اور سگریٹیں لے کر لوٹتے تھے تو اس جگہ تلاشی میں پکڑے جاتے تھے۔ اس زمانے میں بڑے لوگ اللہ جانے کیا کیا لے کر لوٹتے ہیں اور اس جگہ سے صاف نکل جاتے ہیں، جیسے آج بھی چھوٹے ہی لوگوں کی ٹٹولی جاتی ہیں۔

راتے میں حسن ابدال کا پڑاؤ تھا۔ کبھی یہ شہر اتنا دل کش رہا ہو گا کہ مغل مؤرخ لکھتے ہیں کہ لاہور سے کابل جانے والی شاہراہ پر یہ حسین ترین منزل ہے۔ مگر آج کے حسن ابدال میں جھرنوں کے شور اور چڑیوں کی چہکار سے زیادہ جو چیز گونجتی ہے وہ سڑک کی دونوں طرف ہوٹلوں کے لاؤڈ اسپیکر ہیں جن پر دن رات فلمی گانے بجا کرتے ہیں۔ ہوٹلوں کے مالکوں کا خیال ہے کہ جس کے لاؤڈ اسپیکر کی آواز زیادہ اونچی ہوگی اس کے ہاں گاہک بھی زیادہ آئیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ حسن ابدال رونق کی اور عبرت کی جا ہے۔ دونوں طرف انگریزوں کے زمانے کے اونچے اونچے درخت دور تک سبزہ، نالیوں میں بہتا ہوا چشمے کا شفاف پانی، ادھر ادھر پر انی عمارتیں اور مسجدیں۔ ایک طرف سکھوں کا مشہور گردوارہ پنجہ صاحب اور دوسری طرف بابا ولی قندھاری کی چلہ گاہ۔ کشمیر کی طرف مڑ جانے والی سڑک پر کسی مغل بی بی کی قبر۔ کوئی کہتا ہے کہ اکبر کی بیٹی لالہ رخ تھی وہ یہاں عالم شباب میں مر گئی تھی، بعد میں طامس مور نے اپنی ایک نظم میں اسے زندہ کر دیا۔

حسن ابدال کے قریب اس مغل باغ کے آثار اب بھی موجود ہیں جس کے تالاب سے جہانگیر نے مچھلیاں پکڑی تھیں اور ان کی ناک میں موتی پرو کر پھر پانی میں چھوڑ دیا تھا۔ یہیں وہ بڑی سی چٹان ہے جس کے بارے میں سکھوں کا عقیدہ ہے کہ اسے بابا ولی قندھاری نے پہاڑی کے اوپر سے لڑھکا دیا تھا اور نیچے بابا گرو نانک نے چٹان کو اپنے ایک پنجے پر روک لیا تھا۔ چٹان پر نانک کے پنجے کا نشان بن گیا تھا جو آج تک موجود ہے۔ تاریخ کا حساب کتاب رکھنے والے کہتے ہیں کہ جب گرو نانک پشاور جاتے ہوئے حسن ابدال آئے تھے، بابا ولی قندھاری اس سے بہت پہلے نہ صرف حسن ابدال سے بلکہ اس عالم فانی سے کوچ کر چکے تھے۔ پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ پانچ انگلیوں کا یہ نشان حسن ابدال والوں نے تراشا تھا۔

حسن ابدال سے آگے بڑھیں تو واہ چھاؤنی ہے۔ وہاں مغلوں کے دور کی بہت بڑی باؤلی ابھی تک اچھی حالت میں موجود ہے۔ کسی زمانے میں لوگ، ان کے مویشی اور ہاتھی گھوڑے باؤلی کی سیکڑوں سیرھیاں اتر کر سیراب ہوا کرتے تھے۔ اب لوگ یہ مشقت نہیں کرتے بلکہ پمپ کے ذریعے سے پانی کھینچ لیتے ہیں۔

واہ سے آگے سرائے کالا ہے۔ جاتی روڈ پر یہ چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں کالے پتھر کی کوئٹیاں فروخت ہوتی ہیں۔ ان کے باہر کے کناروں پر نیل بوئے کھود کر ان میں رنگ بھردیا جاتا ہے اور پھر اوپر تلے جن کر ان ہانڈیوں کے مینار سے کھڑے کر دیے جاتے ہیں۔ یہی سرائے کالا کی پہچان ہے۔ ظاہر ہے کہ کبھی اس جگہ مسافروں کے لیے سرائے رہی ہوگی، جہاں گھیرنے بھی یہاں پڑاؤ ڈالا تھا۔ اس وقت اس جگہ کا نام کالا پانی تھا۔

ایک دل چسپ بات یہ ہے کہ شیر شاہ اور مغلوں کے زمانے میں جو ہزاروں سرائیں بنائی گئی تھیں بعد میں ان کے گرد بستیاں آباد ہوتی گئیں۔ خود سرائیں نہیں رہیں البتہ آبادیوں کے نام کے ساتھ لفظ ”سرائے“ جزا رہ گیا۔ مردم شہاری کے ریکارڈ سے پتا چلتا ہے کہ ہندوستان پاکستان میں کئی سو شہروں، قصبوں اور دیہات کے ناموں کے ساتھ لفظ ”سرائے“ لگا ہوا ہے۔ اگر نقشے پر ان تمام مقامات کو لکھیں تو کیا قدیم سڑکوں کا نقشہ خود بخود نہیں ابھرے گا؟

جہاں یہ سرائے کالا ہے وہاں سے صرف چند کلومیٹر دور ٹیکسلا کے کھنڈر ہیں، وہی ٹیکسلا جو ہندوستان کے تاج میں ایسے گننے کی طرح جزا تھا جس سے پھوٹ کر گیان دھیان کی کرنیں ایک عالم کو متور کیا کرتی تھیں۔ وہ شہر اب یہیں آنکھیں موندے سو رہا ہے۔ سرائے کالا سے چار میل آگے مارگلہ کی پہاڑی دیوار بن کر کھڑی ہے۔ پہاڑی میں ایک کٹاؤ ہے لیکن اس دن میں سوچنے لگا کہ اس پچیس تیس ہاتھ چوڑے پہاڑی شکاف کے ماتے ہزاروں برسوں کے دوران میں ان گنت قبیلے، قافلے اور لاؤ لشکر گزرے ہوں گے۔ چین، افغانستان، وسطی ایشیا، ایران اور ایشیائے کوچک سے چاہے ایک تنہا مسافر آیا ہو چاہے ایک لشکرِ جرار، وہ سب مارگلہ کے اس کٹاؤ پر چڑھے ہوں گے اور اوپر پہنچ کر انھوں نے دوسری طرف کا نظارہ کیا ہو گا تو تاحدِ نگاہ ہندوستان ہی ہندوستان دکھائی دیا ہو گا۔ مارگلہ کا یہ تاریخی کٹاؤ ابھی موجود ہے۔ جسے دیکھنا ہو فوراً جا کر دیکھ لے کیوں کہ پہاڑی پتھر کاٹ کاٹ کر فروخت کرنے والے بیوپاریوں کی جدید مشینیں اس پہاڑی پر اس طرح ٹوٹی پڑ رہی ہیں جیسے قند کی ڈلی پر بھوک چوئیاں۔

بعد میں جب انگریزوں نے گریڈ ٹرنک روڈ کی تعمیر شروع کی تو انجینئروں نے اس کٹاؤ سے ہٹ کر پہاڑی میں گہرا دڑہ کاٹ دیا۔ اس سے آنا جانا آسان ہو گیا۔ البتہ بلندی پر اس سڑک کے آثار ابھی موجود ہیں جو غالباً اکبر نے بنائی تھی تاکہ کابل پر حملے کے لیے یہاں بھاری توپیں آسانی سے چڑھائی جاسکیں۔ اس دڑے کے اوپر پہاڑی کی چوٹی پر نکلن کی لاٹ میلوں دور سے نظر آنے لگتی ہے۔ دونوں وقت مل رہے تھے۔ میں مری روڈ پر کمپنی باغ کے سامنے کی گلی میں پہنچا۔ یہ گلی میں نے چوتھائی صدی پہلے بھی دیکھی تھی۔ وہی ٹین کی چادروں کا بڑا سا گیٹ، وہی اینٹوں کے فرش والا دالان اور اس کے گرد مطب کے وہی کمرے، مگر اب پورے شہر کی طرح یہ گلی بھی بدل گئی تھی۔ اگر کوئی نہیں بدلاتھا تو وہ گلی میں کھیلنے والے چھوٹے چھوٹے بچے جو تمام عالم سے بے خبر، تمام زمانے سے بے نیاز آج بھی ہاتھوں میں ہاتھ دیے اپنے کھیل میں مگن تھے۔

میں نے دعا مانگی کہ یہ ہاتھ کبھی نہ چھوٹیں، ہسٹائٹی کے یہ رشتے کبھی نہ ٹوٹیں۔ یہ گلیاں یوں ہی آباد اور ان میں کھیلتے ہوتے بچے یوں ہی شاد ہیں۔

(جرنیلی سڑک)

جماعت نہم

درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

- (i) مصطفیٰ کو بالا حصار سے نیچے آنے کے بعد ایک پتھر پر لکھا نظر آیا:
 (الف) شاہراہ ریشم (ب) شاہراہ پاکستان (ج) شاہراہ قدیم (د) شاہراہ جرنیل
- (ii) وادی پشاور نظر آرہی تھی:
 (الف) ریگ نار (ب) مرغزار (ج) ویران (د) سرسبز
- (iii) مورخوں نے ہندوستان کا دروازہ کہا تھا:
 (الف) لنڈی کوتل کو (ب) پشاور کو (ج) ہنڈکو (د) نوشہرہ کو
- (iv) ایک کا نام رکھا تھا:
 (الف) محمود غزنوی نے (ب) شہاب الدین غوری نے (ج) اکبر اعظم نے (د) شیر شاہ سوری نے
- (v) سکھوں کا مشہور گردوارہ واقع ہے:
 (الف) نوشہرہ میں (ب) انک میں (ج) حسن ابدال میں (د) واہ میں
- (vi) نوشہرہ کے قریب آجانے کی پہچان تھی:
 (الف) دریائے سندھ (ب) دریائے کابل (ج) دریائے ہرو (د) دریائے سون

(۲) سبق ”لڑی میں پروے ہوئے منظر“ کے متن کے مطابق دیے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

- (الف) مصطفیٰ کو (دور سے) وادی پشاور کیسی نظر آرہی تھی؟
- (ب) محمود غزنوی نے راجا جے پال کو کس جگہ شکست دی تھی؟
- (ج) انک کا قلعہ کس دریا کے کنارے بنایا گیا تھا؟
- (د) وہ کون سا بادشاہ تھا جسے جگہوں کے نام رکھنے کا بڑا شوق تھا؟
- (ه) موثر خین کے نزدیک لاہور سے کابل جانے والی شاہراہ پر حسین ترین منزل کون سی ہے؟

(۳) درج ذیل الفاظ کے مترادف لکھیں۔

حدود	آبادیاں	شوق	دل چسپ	حیرت	پتھر
------	---------	-----	--------	------	------

(۴) درج ذیل الفاظ کے متضاد الفاظ لکھیں۔

داخل	قدیم	اؤل الذکر	شاپانہ	گم نام	تمازت
------	------	-----------	--------	--------	-------

(۵) درج ذیل الفاظ میں سے مذکر اور مؤنث الفاظ الگ الگ لکھیں۔

دریا	بستیاں	سڑک	وادی	زمین
دردانہ	شکست	قلعہ	سرائے	گاؤں

مثنیہ الفاظ

مثنیہ الفاظ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو آوازیہ شکل صورت کے لحاظ سے تو ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں لیکن اعراب، المایا معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ مثنیہ الفاظ کی بالعموم درج ذیل تین صورتیں ہیں:

(الف) وہ الفاظ جن کا املا ایک جیسا ہو لیکن وہ معنوں کے اعتبار سے مختلف ہوں۔ مثلاً: ”ادا“ بہ معنی ادا کرنا اور ”ادا“ بہ معنی طرزیہ ڈھنگ۔ ”بار“ بہ معنی بوجھ اور ”بار“ بہ معنی دفعہ۔ ”عرض“ بہ معنی گزارش اور ”عرض“ بہ معنی چوٹائی۔ ”کل“ بہ معنی مشین اور ”کل“ بہ معنی آنے والا یا گزرا ہوا دن۔ ”آب“ بہ معنی پانی اور ”آب“ بہ معنی چمک۔ ”دور“ بہ معنی زمانہ اور ”دور“ بہ معنی گردش۔ ”رقم“ بہ معنی روپیہ پیسا اور ”رقم“ بہ معنی لکھنا۔

(ب) وہ الفاظ جن کا املا تو ایک جیسا ہو لیکن اعراب کی تبدیلی سے ان کے معنی میں فرق پڑ جاتا ہو، مثلاً: ذر اور ذر۔ نلک اور نلک، علم اور علم۔ ذور اور ذور۔ دھن اور دھن۔ بین اور بین۔ شیر اور شیر۔ سحر اور سحر۔ اعراب اور اعراب۔

(ج) وہ الفاظ جن کی آواز تو بظاہر ایک جیسی ہو لیکن ان کا املا اور معنی مختلف ہوں، مثلاً: رازی، ماضی۔ اثر، عصر۔ اصل، عمل۔ باز، بعض۔ چارہ، چارہ۔ رسد، رسد۔ زن، ظن۔ کسرت، کثرت۔ نقطہ، نکتہ۔ لعل، لال۔ مامور، معمر۔ حضر، حذر۔ آر، عار۔

(۶) مثنیہ الفاظ میں جزو (الف) اور جزو (ب) کے الفاظ کے معنی لکھیں۔

رموز اوقاف

آپ نے رموز اوقاف کی چند اہم علامتوں: سکتہ، وقفہ، وقف لازم، تفصیلیہ اور ختمہ کے بارے میں گزشتہ سبق میں پڑھا ہے۔ باقی ماندہ اہم علامتوں کی وضاحت بیان کی جاتی ہے:

استفہامیہ یا سوالیہ (؟) یہ علامت کسی استفہامیہ یا سوالیہ جملے کے آخر میں لگائی جاتی ہے۔ مثلاً: یہ کیا ہے؟ یہ کتاب کس کی ہے؟ آج کیا

(۱) نداءیہ یہ علامت دراصل لفظ ”ندا“ کا مخفف ہے اور لفظ ”ندا“ کے الف کے نیچے نون کا نقطہ لگا کر بنائی گئی ہے۔ یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے جہاں کسی کو ندا دینا، پکارنا، خطاب کرنا مقصود ہو، مثلاً: خدایا! میری آرزو پوری کر دے۔ اے بھائی! ذرا میری بات سنو۔ وغیرہ

(۱) فجائیہ جب تحریر میں غصہ، حقارت، تعجب، تمنا، ادب، تعظیم، ندامت، خوف، تحسین و آفرین وغیرہ جذبات کو ظاہر کرنا مقصود ہو تو یہ علامت استعمال کی جاتی ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ الفاظ بلا اختیار یا خود بخود زبان سے نکل گئے ہیں۔ مثلاً: وہ اور رحم! اس کی امید فضول ہے۔ اُف! بے چارہ چل بھی نہیں سکتا۔ وغیرہ

واوین (”““) اس علامت کا استعمال کسی کا قول من و عن نقل کرتے وقت یا کسی اقتباس کا اندارج کرتے وقت اس قول یا اقتباس کی ابتدا اور اس کے آخر میں کیا جاتا ہے، جس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ واوین کے اندر والی عبارت گفت گو کرنے والے ہی کے الفاظ پر مشتمل ہے، مثلاً:

باپ نے بیٹے سے کہا: ”بیٹا! محنت کرو، محنت کا پھل ضرور ملے گا۔“

میں نے ملازم سے کہا: ”جاؤ! میرا سامان گاڑی سے نکال لاؤ۔“

توسین (〰) اس علامت میں، جسے انگریزی میں بریکٹس کہا جاتا ہے، کسی بات کی وضاحت کے لیے الفاظ لکھے جاتے ہیں جو لفظ معترضہ یا جملہ معترضہ کے طور پر آتے ہیں اور انھیں حذف کر دینے سے عبارت کے ربط و تسلسل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مثلاً:

انور صاحب (مرحوم) سے ہمارے بھی دیرینہ تعلقات تھے۔

میرا گھر (مکان کا وہ حصہ جس میں میری سکونت ہے) خاصا بوسیدہ ہو گیا ہے۔

خط (—) انگریزی میں اس علامت کو ڈیش کہا جاتا ہے۔ جس طرح توسین جملہ معترضہ کو رواں تحریر سے الگ کرتی ہے، اسی طرح

یہ علامت بھی نیم ختمہ کا کام دیتے ہوئے جملہ ختم کیے بغیر اس میں اچانک تبدیلی کو ظاہر کرتی ہے۔ مثلاً:

میں بیمار ہوں — آپ سے ملنا بھی ضروری تھا۔

اب تو اسی تنخواہ میں — وہ جتنی بھی ہے — گزارا کرنا ہو گا۔

(۷) رموزِ اوقاف کی علامتوں: استفہامیہ یا سوالیہ، نداءیہ، فجائیہ، واوین، توسین اور خط کی علامتوں کا استعمال کرتے ہوئے ہر

علامت کی دو دو مثالیں مزید دیں۔

تلہ لگا کر بنائی گئی ہے۔ یہ علامت وہاں
ی آر زد پوری کر دے۔ اسے بھائی!

فرین وغیرہ جذبات کو ظاہر کرتا
بار یا خود بخود زبان سے نکل گئے

تے وقت اس قول یا اقتباس کی
عبارت گفت گو کرنے والے ہی

لکھے جاتے ہیں جو لفظ معترضہ
کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مثلاً:

الگ کرتی ہے، اسی طرح
مثلاً:

تے ہوئے ہر

جماعت نمبر

علامت وہاں
اسے بھائی!
ظاہر کرتا
نکل گئے
اقتباس کی
والے ہی

معترضہ
مثلاً:

ایسی طرح

ہر

جماعت نمبر

(۸) درج ذیل پیرا گراف توجہ سے پڑھیں اور آخر میں دیے گئے سوالوں کے جواب تحریر کریں۔

فورٹ منرو، پنجاب کے ضلع ڈیرہ غازی خان میں واقع ایک حسین پہاڑی مقام ہے جو اپنی قدرتی خوب صورتی اور دل کش مناظر کے باعث سیاحوں کے لیے ایک پرکشش مقام ہے۔ سطح سمندر سے تقریباً ۶۳۷۰ فٹ بلند یہ مقام موسم گرما میں ٹھنڈی ہوائیں اور سرسبز پہاڑوں کا دل کش منظر پیش کرتا ہے۔ یہاں کے جنگلات، خوب صورت دادیاں، اور چشمے دیکھنے والوں کو مسحور کر دیتے ہیں۔ فورٹ منرو کو تاریخی اہمیت بھی حاصل ہے، کیوں کہ یہ علاقہ ماضی میں برطانوی فوج کے لیے ایک دفاعی چوکی کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ یہاں کی مخصوص ثقافت، روایتی طرز زندگی اور مقامی دست کاریوں کی دکانیں بھی سیاحوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ فورٹ منرو کا سفر نہ صرف فطرت سے محبت کرنے والوں کے لیے ایک خوش گوار تجربہ ہوتا ہے بلکہ وہ لوگ جو سکون اور فطرت کے قریب رہنا چاہتے ہیں، ان کے لیے بھی یہ ایک بہترین تفریحی مقام ہے۔

- سوالات: (الف) فورٹ منرو کہاں واقع ہے اور اس کی وجہ شہرت کیا ہے؟ (ب) فورٹ منرو کا موسم کیا ہے؟
(ج) فورٹ منرو کی تاریخی حیثیت کا پس منظر کیا ہے؟
(د) فورٹ منرو اپنی ثقافت اور دست کاریوں کے حوالے سے کیسی شہرت رکھتا ہے؟
(ه) اس عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔

سرگرمیاں:

- طلبہ لائبریری یا انٹرنیٹ سے سارک (SAARC) کے ممالک کا ایک نقشہ حاصل کریں اور اس میں جرنیلی سڑک (جی ٹی روڈ) کی نشان دہی کریں اور ٹیوٹوریل گروپ میں بتائیں۔
- اس سبق میں جتنی بھی آبادیوں کا تذکرہ ہوا ہے، طلبہ اس کی ایک فہرست بنائیں۔

اشارات تدریس

- ۱۔ اساتذہ بر عظیم پاک و ہند کا ایک بڑا نقشہ حاصل کریں اور ستار گاؤں (ہنگو دیش) سے کابل (افغانستان) تک جرنیلی سڑک کی نشان دہی کرائیں۔
- ۲۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ قدیم زمانے میں اسی شاہراہ کے راستے قافلے گزرا کرتے تھے۔
- ۳۔ اساتذہ طلبہ کی معلومات میں اضافہ کریں کہ شمال مغرب کی طرف سے جتنے بھی حملہ آور سوائے (محمد بن قاسم) کے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لیے آئے، وہ اسی شاہراہ کے راستے آئے۔
- ۴۔ اساتذہ ان تمام بڑے بڑے دریاؤں کے نام سے طلبہ کو آگاہ کریں جو اس شاہراہ کے راستے میں پڑتے ہیں۔



فاروق سرور

(ولادت: ۲۵ مئی ۱۹۶۳ء)

فاروق سرور صوبہ بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ سے ایم اے انکشاف کرنے کے بعد گورنمنٹ لاکال کالج کوئٹہ سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۹۱ء میں کوئٹہ ہی میں قانون کی پریکٹس شروع کر دی اور آج تک اسی پیشے کے ساتھ وابستہ ہیں اور سیشن کورٹ کوئٹہ اور بلوچستان ہائی کورٹ کوئٹہ میں بطور ایڈووکیٹ کام کرتے ہیں۔

فاروق سرور کو کہانیاں لکھنے کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ تادم تحریر ان کی سترہ کتابیں چھپ چکی ہیں جن میں سے بارہ کتابیں پشتو کی، چار اردو کی اور ایک کتاب انگریزی کی ہے۔ انھیں ان کی ادبی خدمات کی بنا پر تین بار حکومت بلوچستان کی طرف سے بہترین کتاب کے انعام کا اور حکومت پاکستان کی جانب سے ”پرائیڈ آف پرفارمنس“ کا حق دار قرار دیا جا چکا ہے اور وہ اکادمی ادبیات، اسلام آباد کی جانب سے ”خوش حال خاں خٹک ایوارڈ“ بھی اپنے نام کر چکے ہیں۔

فاروق سرور بڑے اوصاف کے حامل لکھاری ہیں۔ وہ بیک وقت افسانہ نگار، ناول نگار، کالم نگار، مترجم اور ریڈیو، ٹی وی ڈراموں کے آرٹسٹ بھی ہیں۔

ان کی پشتو افسانوں سے ترجمہ شدہ اردو کتاب کا نام ”ندی کی پیاس“ ہے اور شامل کتاب افسانہ ”بھیڑیا“ اسی کتاب سے مستعار ہے۔ یہ ایک علامتی افسانہ ہے جس میں انسانی جذبات کا بہ کمال اظہار ہوتا ہے۔ بعض قارئین کو یہ افسانہ اس قدر پسند آیا کہ مصنف نے اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ کیا ہے۔ ان کی دوسری تصانیف میں ”دریا“، ”لیوہ“، ”سکاروائی“، ”ادب سر“، ”ساگوان“ اور ”مجرم“ شامل ہیں۔



بھیڑیا



مقاصد تدریس:

- ۱۔ طلبہ کو آگاہ کرنا کہ ہر چند پاکستان کی قومی زبان اردو ہے تاہم پاکستان کے چاروں صوبوں اور ملحقہ خطوں میں مقامی زبانیں اور بولیاں بولی جاتی ہیں۔
- ۲۔ طلبہ کو ترجمہ نگاری کے اصولوں سے روشناس کرنا۔
- ۳۔ شامل کتاب سبق ”بھیڑیا“ پشتو زبان میں ایک علامتی افسانہ ہے جس کا فاروق سرور نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔
- ۴۔ طلبہ کو حروف کی مزید کچھ اقسام سمجھانا۔
- ۵۔ طلبہ کو انگریزی اقتباس کا اردو میں ترجمہ کرنا سکھانا۔

میں جب ارد گرد دیکھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں۔ میرے چاروں طرف بے شمار درخت ہیں۔ ہر درخت میں کسی نہ کسی فicus نے پناہ لے رکھی ہے اور اس کا بھیڑیا کھڑا غڑا رہا ہے۔

بہت دیر سے میں نے ایک درخت میں پناہ لے رکھی ہے۔ میں اب تھک چکا ہوں اور میری یہ خواہش ہے کہ نیچے اتروں لیکن کم بخت بھیڑیا مجھے اترنے نہیں دیتا۔ وہ نیچے کھڑا مجھے مسلسل خوف ناک نظروں سے دیکھ رہا ہے اور اس انتظار میں ہے کہ میں کب اتروں گا اور وہ مجھے چیر بھاڑ کر کھا جائے گا۔

جس درخت پر اب میرا مسکن ہے۔ یہ ایک عجیب سا درخت ہے بلکہ اگر میں اسے جادو کا درخت کہوں تو بے جا نہ ہو گا۔ میں یہاں جو بھی خواہش کرتا ہوں وہ فوراً پوری ہو جاتی ہے۔ اگر نرم اور گرم بستر کے بارے میں سوچوں تو وہ میرے قریب بچھ جاتا ہے۔ آگیاں تو میرے سامنے ایک شان دار ٹی وی سیٹ آ جاتا ہے۔ جس کے اسٹیریاو اسپیکرز ہوتے ہیں اور جو دنیا کا ہر اسٹیشن پکڑ سکتا ہے۔ اگر کسی بھی کھانے کے لیے میرا جی چاہے تو وہ فوراً حاضر ہوتا ہے۔ یہاں سب کچھ ہے، ہر طرح کی آسائشیں ہیں لیکن یہاں جس چیز کی کمی ہے اور جس چیز کے لیے میں تڑپ رہا ہوں وہ ہے آزادی، لیکن یہ آزادی مجھ سے قربانی کا تقاضا کرتی ہے اور قربانی، یہ کہ مجھے نیچے اترنا پڑے گا اور بھیڑیے کو ہلاک کرنا ہو گا لیکن مجھ میں اتنی جرأت نہیں، میں بھیڑیے سے خوف زدہ ہوں اور وہ مجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔ کبھی کبھی جب میں اُس وقت کو یاد کرتا ہوں جب بھیڑیا میرا پیچھا کر رہا تھا تو میرا پسینہ ٹھوٹ جاتا ہے۔ ایک سنسنی سی جسم میں پھیل جاتی ہے دل ڈوبنے لگتا ہے۔ تب میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اگر یہ درخت میرے سامنے نہ آتا اور مجھے پناہ نہ دیتا تو بھیڑیا کب کا مجھے ہلاک کر چکا ہوتا۔

مایوسی کے اس گھپ اندھیرے میں کبھی کبھار اس بات پر بھی خوش ہو جاتا ہوں کہ درخت کافی اونچا ہے میں یہاں ہر طرح سے محفوظ ہوں اور بھیڑیا میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

جماعت نہم

دن کے وقت تو یہ حال ہے۔ لیکن کوئی نہ کوئی مصروفیت نکل آتی ہے لیکن جوں ہی رات ہوتی ہے ایک عجیب سی کیفیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سو جاتا ہوں تو خوف ناک خواب مجھے ڈراتے ہیں۔ ایک قیامت سی مجھ پر گزرتی ہے، تمام جسم تھکا ہوتا ہے اور ایک ایک انگ یوں دکھ رہا ہوتا ہے جیسے کسی نے چابک سے مجھے سخت مارا ہو۔

اکثر نہیں یہ سوچتا ہوں کہ میں کب تک اس عذاب میں مبتلا رہوں گا۔ کب تک انتظار کروں گا کہ بھیڑ یا بھوک سے مر جائے لیکن وہ بجائے مرنے کے پہلے سے زیادہ طاقت ور ہو جاتا ہے۔

ایک صبح جب میری آنکھ کھلتی ہے تو اچانک درخت کے گھنے پتوں سے مجھے کسی اور کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ خوف سے ایک تیزی جیج میرے منہ سے نکلتی ہے اور مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ بھیڑ یا بالآخر اپنی کوشش میں کامیاب ہو ہی گیا پھر میری حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب مجھے پتا چلتا ہے کہ وہ میرے ہی جیسا ایک شخص ہے، پریشان اور گھبراہٹا ہوا۔ اس اجنبی نے درخت پر ایک اور بھیڑیے کے خوف سے پناہ لے رکھی ہے۔ اس کا بھیڑ یا بھی نیچے کھڑا غڑا رہا ہے۔ درخت پر پنچے گاڑ رہا ہے لیکن تمام کوششوں کے باوجود اونچے درخت پر چڑھ نہیں پاتا۔

ہم دونوں لوگ ہیں جو اپنے اپنے بھیڑیوں سے خوف زدہ ہیں باوجود یہ کہ درخت میں ہمارے لیے ہر طرح کی آسائشیں موجود ہیں لیکن ہم ان آسائشوں سے خوش نہیں، جبر اور اکٹھا ہٹ کا احساس روز بروز ہمیں کھائے جا رہا ہے، اب تو ہمیں رات کو نیند بھی نہیں آتی جوں ہی آنکھ لگتی ہے بھیڑیے کا خوف ناک چہرہ ہمیں دوبارہ جگا دیتا ہے۔ کم بخت اب ہمارے خوابوں میں بھی گھس گیا ہے وہ ہمیں یہاں سکون سے رہنے نہیں دیتا۔

ہم دونوں کے بھیڑیے اکثر اپنی جگہ خاموش بیٹھے رہتے ہیں لیکن کبھی کبھی ان دونوں پر ایسا جنون سوار ہو جاتا ہے کہ وہ درخت پر حملہ کر دیتے ہیں۔ اس کے موٹے تنے پر دانت اور پنچے گاڑ دیتے ہیں اور اس وقت خوف ناک سی غڑاہٹ ہوتی ہے۔ دونوں کے بھیڑیوں کا یہ اچانک کا باؤ لاپن ہمیں مزید ڈرا دیتا ہے۔ لیکن ایک بات یہ ہے ہم دونوں کے بھیڑیوں کا تعلق اپنے اپنے آدمی سے ہے۔ میرے ساتھی کا بھیڑ یا مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور میرا بھیڑ یا اس سے، خاص بات یہ ہے کہ دونوں بھیڑیے بھی ایک دوسرے سے لا تعلق رہتے ہیں اور ہم اس بات سے حیران ہوتے ہیں۔

ایک دن کافی سوچ بچار کے بعد ہم دونوں یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم دونوں نیچے اتریں گے اور اپنے اپنے بھیڑیے سے مقابلہ کریں گے، جو بھی ہو گا دیکھا جائے گا ورنہ یہ عذاب کی زندگی ہم کب تک گزاریں گے تب ہم دونوں آنکھیں بند کر کے نیچے کودنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ میرا ساتھی تو کود جاتا ہے مگر میں اپنی بزدلی کے باعث ایسا نہیں کر پاتا اور اپنی جگہ بیٹھا رہ جاتا ہوں۔

اس کا بھیڑ یا جوں ہی اسے نیچے دیکھتا ہے تو فوراً اس کی طرف لپکتا ہے اور اس پر حملہ آور ہوتا ہے۔ میرا بھیڑ یا بھی خبردار ہو جاتا ہے اور اس کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن جب میں نیچے نہیں اترتا تو وہ غصے سے آگ بگولا ہو جاتا ہے اور پاگلوں کی طرح درخت کے موٹے تنے کے ساتھ لڑنا شروع کر دیتا ہے۔ اس سے پیش تر میرے ساتھی کا بھیڑ یا اسے زمین پر گرائے، وہ اس چھوٹی سی شاخ سے جماعت نہم

بھڑیے کو مارتا ہے جو اس نے درخت سے توڑی ہوئی ہے۔ اس کا بھیل یا اسی وقت زمین پر گرتا ہے اور چند ہی لمحوں میں مر جاتا ہے۔ میرا ساتھی اب آنا دے۔ اس نے اپنی بہادری سے آنا دی حاصل کر لی لیکن میں اب تک اس پرانے عذاب میں مبتلا ہوں اور خود کو کوس رہا ہوں۔ میرا بھیل یا اب پہلے سے زیادہ خوف ناک ہو جاتا ہے۔ وہ وحشی بن چکا ہے اور ہر وقت درخت سے لگتا رہتا ہے شاید اس کا یہ خیال ہے کہ اس طرح میں درخت سے نیچے گر پڑوں گا یا درخت ٹوٹ جائے گا۔ مگر میں نے ہر وقت درخت کی شاخوں کو مضبوطی سے پکڑا ہوتا ہے اور مارے خوف کے میرا جسم پسینے میں ڈوبا ہوتا ہے۔ دن ہو یا رات میں مسلسل بھڑیے کو بددعا میں بھی دیتا ہوں لیکن وہ کم بخت ہے کہ باز نہیں آتا۔

میرا ساتھی مسلسل مجھے آوازیں دیتا ہے۔ وہ قسمیں کھاتا ہے۔

”اگر تم نیچے اتر دو تو بھیل یا تمھارا کچھ نہیں بگاڑے گا، وہ بہت کڑور ہے تم اے آسانی سے مار سکتے ہو۔“

لیکن مجھے اس کی بات پر یقین نہیں اور اوپر کھڑا خوف سے کانپ رہا ہوتا ہوں۔ اب چند ایسے واقعات شروع ہو جاتے ہیں کہ مجھے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ میں بالآخر مر جاؤں گا۔

اچانک درخت میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ میں فوراً نیچے دیکھتا ہوں کہ بھڑیے نے اسے بلایا تو نہیں لیکن بھیل یا اپنی جگہ لینا ہوتا ہے۔

یہ کیا۔۔؟

میں چیخ اٹھتا ہوں۔ درخت لمحہ بہ لمحہ چھوٹا ہو رہا ہے۔ میں مارے گھبراہٹ کے درخت کی موٹی شاخوں پر زور زور سے اچھلتا ہوں کہ ہو سکتا ہے اس طرح سے درخت رک جائے لیکن درخت نہیں رکتا اور چھوٹا ہوتا جاتا ہے۔

اب ایک دوسری چیز مجھے مزید خوف زدہ کرتی ہے۔ بھیل یا بھی بڑا ہو رہا ہے اور تھوڑی دیر میں ایک تیل جتنا بڑا ہو جاتا ہے۔ میں چیختا ہوں، چلاتا ہوں۔ درخت کے اندر ادھر ادھر بھاگتا ہوں لیکن بے مود۔ اب میں خود کو ذہنی طور پر موت کے لیے تیار کر لیتا ہوں اور ارد گرد کی تمام چیزوں کو الوداعی نظروں سے دیکھتا ہوں۔ بھیل یا اور میں لمحہ بہ لمحہ ایک دوسرے کے قریب آ رہے ہیں۔ میرا ذہن اب بالکل ماؤف ہے۔ میری آنکھیں بند ہیں اور میں پھانسی چڑھنے والے اس مجرم کی طرح موت کو خوش آمدید کہہ رہا ہوں جس کی گردن میں رتی کا پھند اڑا لا جا چکا ہے اور جو اب اس انتظار میں ہے کہ جلاد کب لیور کھینچے گا۔ میں اس وقت اگر کوئی آوازیں سن رہا ہوں تو وہ صرف میرے ساتھی کی ہیں، جو نیچے سے دے رہا ہے کہ خدا ار اپنے اترو۔ تم بھڑیے سے زیادہ طاقت ور ہو۔ بھیل یا وہی ایک خوف ہے۔ رات کا ایک پہاڑ ہے جسے تم ایک ہی ٹھوک سے اپنے ماتے سے ہٹا سکتے ہو۔

بالآخر میں ہنٹ کرتا ہوں اور درخت سے نیچے کودتا ہوں۔ میرا بھیل یا جوں ہی اپنے سامنے پاتا ہے مجھ پر حملہ کر دیتا ہے لیکن پیش تر اس کے کہ وہ مجھے ہلاک کر دے میں اسے ایک اس پتلی اور نازک سی شاخ سے مارتا ہوں جو میں نے درخت سے توڑی ہوئی ہے۔ ہاتھی جیسا بڑا بھیل یا دھڑام سے نیچے گرتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے مر جاتا ہے۔

جماعت ختم

اب میں آزاد ہوں۔

کتنی حسین ہے آزادی، کتنا خوب صورت ہے اس کا احساس! میں خوشی سے چیخ اٹھتا ہوں۔ رقص کرتا ہوں۔ دیوانوں کی طرح اچھلتا ہوں۔

کچھ دیر کے بعد جب میرا جوش کچھ کم ہو جاتا ہے تو اپنے ساتھی کی طرف دیکھتا ہوں تاکہ اس کا شکریہ ادا کروں لیکن میرا ساتھی اپنی جگہ موجود نہیں ہوتا۔ میں جب ارد گرد دیکھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں۔ میرے چاروں طرف بے شمار درخت ہیں۔ ہر درخت میں کسی نہ کسی شخص نے پناہ لے رکھی ہے اور اس کا بھیڑیا کھڑا غرارہا ہے۔

اب میں زور زور سے ہنستا ہوں۔ قہقہے لگاتا ہوں اور ان سادہ اور معصوم لوگوں کی طرف بڑھتا ہوں جو ناحق اپنے بھیڑیوں سے خوف زدہ ہیں۔

(ندی کی پیاس)



(۱) سبق ”بھیڑیا“ کے متن کے حوالے سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

(i) ہم دونوں کے _____ اکثر اپنی جگہ خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔

(الف) اڑد ہے (ب) مینڈھے (ج) بھیڑیے (د) چیتے

(ii) ایک دن کافی _____ کے بعد ہم دونوں یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم دونوں نیچے اتریں گے۔

(الف) سمجھ بوجھ (ب) تردد (ج) غور و فکر (د) سوچ بچار

(iii) _____ جیسا بڑا بھیڑیا دھڑام سے نیچے گرتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے مر جاتا ہے۔

(الف) گھوٹا (ب) ہاتھی (ج) شیر (د) چیتا

(iv) میرا ساتھی بھیڑیے کو مارتا ہے:

(الف) بندوق سے (ب) چھوٹی سی شاخ سے (ج) تیر کمان سے (د) لاٹھی سے

(v) میرے ساتھی نے آزادی حاصل کر لی اپنی:

(الف) بہادری سے (ب) عقل مندی سے (ج) جرأت و ہمت سے (د) مستقل مزاجی سے

(۲) سبق ”بھڑیا“ کے متن کے مطابق دیے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

- (الف) درختوں کے نیچے کھڑے کیا غڑا ہے تھے؟
- (ب) اس کہانی میں بلند درخت کس بات کی علامت ہے؟
- (ج) جب گھنے درختوں میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے تو مصنف کو کیا بتا چلتا ہے؟
- (د) اس کہانی میں ”بھڑیا“ کس بات کی علامت ہے؟
- (ه) ”میرا ساتھی“ اپنے بھڑیے کو کس چیز سے ہلاک کرتا ہے؟

(۳) سبق ”بھڑیا“ کے متن کو مد نظر رکھ کر درست بیان کے آگے (✓) اور غلط کے آگے (x) کا نشان لگائیں۔

- (الف) جب میں ارد گرد دیکھتا ہوں، میرے چاروں طرف بے شمار پودے ہیں۔
- (ب) میں بھڑیے سے خوف زدہ ہوں اور وہ مجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔
- (ج) اگر یہ درخت مجھے پناہ نہ دیتا تو بھڑیا کب کا مجھے ہلاک کر چکا ہوتا۔
- (د) جوں ہی رات ہوتی ہے، ایک عجیب سی راحت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔
- (ه) ایک ایک انگ یوں دکھ رہا ہوتا ہے جیسے کسی نے لاشی سے مجھے مارا ہو۔
- (و) اس انجینی نے درخت پر ایک اور شیر کے خوف سے پناہ لے رکھی ہے۔

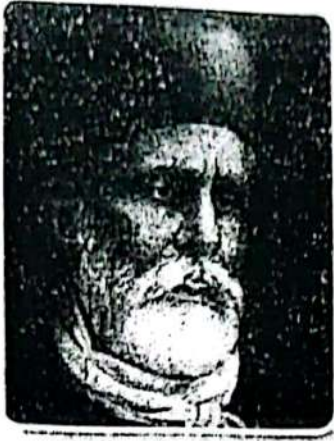
حروف

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے کہ حروف کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں سے چند ایک کی مختصر وضاحت پہلے آچکی ہے، کچھ ایک کی وضاحت یہاں کی جاتی ہے:

حروفِ تحسین: وہ حروف ہیں جو تحسین و آفرین اور تعریف و توصیف کے موقع پر بولے جاتے ہیں، مثلاً: شاباش، بہت خوب، واہ وا، سبحان اللہ، مرحبا، آفرین ہے وغیرہ۔ حروفِ تحسین کے استعمال کے فوری بعد فاسیہ کی علامت ”!“ لگانی چاہیے۔

حروفِ نفرت: وہ حروف ہیں جو نفرت، حقارت یا ملامت کے جذبات کے اظہار کے موقع پر کہے جاتے ہیں، مثلاً: توبہ توبہ، لعنت، ہزار لعنت، تمہارا، تمہو، نف، پھٹکار وغیرہ۔

حروفِ ندا: وہ حروف ہیں جو کسی کو ندایا آواز دینے یا پکارنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، مثلاً:



خواجہ الطاف حسین حالی

(۱۸۳۷ء-۱۹۱۳ء)

خواجہ الطاف حسین نام اور حالی متخلص کرتے تھے۔ آپ پانی پت (ہریانہ، انڈیا) کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد گرامی کا نام خواجہ ایزد بخش تھا جو حافظِ قرآن تھے اور ان کی قرأت کا شہرہ اس قدر تھا کہ لوگ دُور و نزدیک سے ان کی تلاوت سننے کے لیے کشاں کشاں چلے آتے اور سر دھنتے رہ جاتے تھے۔ انھوں نے لُحْن داؤدی پایا تھا۔ یہی صفات مولانا حالی کی ذات میں بھی بدرجہ اتم موجود تھیں اور وہ بھی حافظِ قرآن تھے۔ مولانا حالی کم عمری ہی میں والدین کے سائے سے محروم ہو گئے۔ مزید علم حاصل کرنے کا شوق انھیں دہلی لے گیا جہاں معاشی طور پر مشکل حالات میں اکتسابِ علم کے ساتھ ساتھ مشاہیر کی صحبتوں، خصوصاً نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ اور مرزا غالب سے فیض حاصل کیا۔

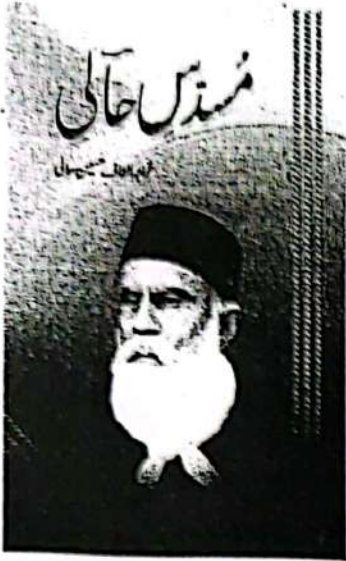
مولانا حالی ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے زمانے کے کچھ عرصہ بعد لاہور آ گئے اور گورنمنٹ بک ڈپو میں ملازمت اختیار کر لی اور یہیں رہ کر مولانا محمد حسین آزاد کے ساتھ غزل کے بجائے نظمیں لکھنے کی بنیاد ڈالی اور اپنی چار طویل نظمیں (مثنویاں): ”برکھازت“، ”نشاطِ امید“، ”حُبِ وطن“ اور ”مناظرہٴ رحم و انصاف“ انجمن پنجاب لاہور کے پلیٹ فارم سے پیش کیں۔ مولانا حالی سرسید تحریک سے وابستہ قوم کے بہت بڑے مصلح ہیں۔ وہ اُردو کے پہلے نقاد اور پہلے سوانح نگار تصور ہوتے ہیں۔ ان کا ذوقِ شعر اعلیٰ درجے کا تھا۔ وہ فنِ شعر اور نقدِ شعر دونوں میں صاحبِ نظر تھے۔ بلاشبہ ان کے یہاں قدیم رنگِ شاعری بھی موجود ہے جو بہت خوب ہے مگر ان کا اصل جوہر اور کمال جدید رنگِ شاعری میں ظاہر ہوا۔ ان کی نظموں کی بڑی خوبی زبان و بیان کی سادگی اور سلاست ہے۔ اُردو شاعری میں مولانا حالی کا اعلیٰ ترین کارنامہ ان کی طویل نظم ”مدو جزرِ اسلام“ ہے جو عام طور پر ”مسدسِ حالی“ کے نام سے معروف ہے۔ یہ نظم اس قدر مقبول ہوئی کہ اس نے مقبولیت اور شہرت کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے۔ ”مسدسِ حالی“ کے بارے میں سرسید کہا کرتے تھے: ”میں اس (مسدسِ حالی) کا مُحرک ہوا ہوں اور میں اسے اپنے اعمالِ حسنہ سے سمجھتا ہوں۔ جب خدا مجھ سے پوچھے گا کہ دنیا سے کیا لائے ہو تو میں کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا کر لایا ہوں اور کچھ نہیں۔“ شاملِ کتاب نظم ”مخت کی برکات“ مسدسِ حالی سے مستعار اقتباس ہے اور اس نظم میں، جیسا کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے محنت سے کام کرنے والوں کے اوصاف بیان ہوئے ہیں۔



محنت کی برکات

متاثرہ تدریس:

- ۱۔ طلبہ کو مولانا حالی کے بارے میں بتانا کہ ان کی ذات قدیم اور جدید اردو شاعری کا سنگم ہے۔
- ۲۔ طلبہ کو مولانا حالی کی قومی شاعری بالخصوص ”مسدس مذہبِ اسلام“ سے آگاہ کرنا اور بتانا کہ ”مسدس حالی“ ایک طویل نظم ہے جو بشمول ضمیمہ ۲۲۹ بندوں پر مشتمل ہے۔
- ۳۔ طلبہ کو مسدس حالی کی تصنیف کے ضمن میں سرسید احمد خاں کے جذبات سے آگاہ کرنا۔
- ۴۔ طلبہ کو اصنافِ نظم بالخصوص قصیدہ، غزل، مرثیہ، مثنوی، رباعی، قطعہ، مخمس اور مسدس سے متعارف کرانا۔
- ۵۔ طلبہ کو ذوقِ معنی الفاظ کے بارے میں آگاہ کرنا۔



مَشَقَّت کی ذِلَّت جنھوں نے اٹھائی

جہاں میں ملی اُن کو آخر بڑائی

کسی نے بغیر اس کے ہرگز نہ پائی

فضیلت، نہ عزت، نہ فرماں روائی

نہال اِس گلستاں میں جتنے بڑھے ہیں

ہمیشہ وہ نیچے سے اُوپر چڑھے ہیں

بہت ہم میں اور تم میں جوہر ہیں مٹھی

خبر کچھ نہ ہم کو نہ تم کو ہے جن کی

اگر جیتے جی، کچھ نہ ان کی خبر لی

تو ہو جائیں گے مل کے مٹی میں مٹی

یہ جوہر ہیں ہم میں امانتِ خدا کی

مبادا تلف ہو ودیعتِ خدا کی

نہیں سہل گر صید کا ہاتھ آتا
تو لازم ہے گھوڑوں کو سرپٹ بھگانا
نہ بیٹھو جو ہے بوجھ بھاری اٹھانا
ذرا تیز ہانکو جو ہے دور جانا
زمانہ اگر ہم سے زور آنا ہے
تو وقت اے عزیزدا یہی زور کا ہے

بشر کو ہے لازم کہ بہت نہ ہارے
جہاں تک ہو کام آپ اپنے سنوارے
خدا کے سوا چھوڑ دے سب سہارے
کہ ہیں عارضی زور، کمزور سارے
اڑے وقت تم دائیں بائیں نہ جھانکو
سدا اپنی گاڑی کو تم آپ ہانکو

شخص اپنی مشکل کو آساں کرو گے
شخص درد کا اپنے درماں کرو گے
شخص اپنی منزل کا ساماں کرو گے
کرو گے شخص کچھ اگر یاں کرو گے

چھپا دست بہت میں زورِ قضا ہے
مثل ہے کہ بہت کا حامی خدا ہے

(مذہبِ اسلام)





(۱) نظم "محنت کی برکات" کے متن کے مطابق مصرعے مکمل کریں۔

(الف) نہال اس _____ میں جتنے بڑھے ہیں

(ب) یہ جوہر ہیں ہم میں _____ خدا کی

(ج) _____ تلف ہو ودیعت خدا کی

(د) بشر کو ہے لازم کہ _____ نہ ہارے

(ه) مثل ہے کہ ہمت کا _____ خدا ہے

(۲) نظم "محنت کی برکات" کے متن کو مد نظر رکھتے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

(الف) انسان کو فضیلت، عزت اور فرماں روائی کب ملتی ہے؟

(ب) اگر مخفی جوہر کی خبر نہ لی تو کیا ہونے کا امکان ہے؟

(ج) اگر دور کا سفر درپیش ہو تو گھڑ سوار پر کیا لازم آتا ہے؟

(د) بشر کے لیے سب سے بڑا سہارا کس کا ہے؟

(ه) ہمت کا حامی کون ہے؟

(۳) درج ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

خبر لینا مٹی ہو جانا ہاتھ آنا زور آزمانا ہمت ہارنا سامان کرنا دائیں بائیں جھانکنا

(۴) درج ذیل الفاظ کا درست تلفظ اعراب لگا کر واضح کریں۔

مشقت ودیعت مبادا تلف ہمت درماں

وہ الفاظ جن کے دو یا دو سے زیادہ معنی ہوں، دو معنی یا دو معنیں الفاظ کہلاتے ہیں۔ ایسے بعض الفاظ ایک معنوں میں مذکور ہوتے ہیں تو دوسرے معنوں میں موٹ۔ بعض اوقات دونوں معنوں میں مذکور یا موٹ۔ بہر کیف دو معنی الفاظ کے استعمال کے ضمن میں بہت احتیاط برتنے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے کوئی اہل زبان کی گفت گو (تحریر و تقریر) ہی ہے۔ چند ایک دو معنی الفاظ اور ان کے معنی درج ذیل ہیں:

الفاظ	ایک معنی	دوسرے معنی	الفاظ	ایک معنی	دوسرے معنی
آب	پانی	چمک دمک	نکی	سرحانہ	بھروسا
اُردو	زبان	لشکر، لشکر گاہ	ملاق	محراب	ہندسہ جو دو پر تقسیم نہ ہو
اوقات	وقت کی جمع	حیثیت	ظرف	برتن	حوصلہ
بار	بوجھ	باری	عرصہ	مدت	میدان
باز	ایک شکاری پرندہ	دوبارہ، کھلا ہوا	عرض	گزارش	چوٹائی
بیت	گھر	شعر	فصل	فاصلہ	موسم
ناک	تاک جھانک	انگور کی بیل	قصور	قصر کی جمع، محلات	غلطی
تکرار	جھگڑا	بار بار دہرانا	کان	معدنیات نکلنے کی جگہ	جسم کا حصہ

درج ذیل دو معنی الفاظ کے معنی لکھیں۔

جست	غریب	کل	مانگ	لہر
سنگ	کف	لگن	مالنا	محل

اصنافِ نظم

اصنافِ نظم بہت سی ہیں جن میں سے کچھ کا بیان ”نظم“ میں آچکا ہے، کچھ کی وضاحت یہاں بیان کی جاتی ہے۔

قصیدہ:

قصیدہ عربی کے لفظ ”قصد“ سے بنا ہے جس کے لغوی معنی ”قصد (امادہ) کرنا“ کے ہیں جس سے ثابت ہے کہ یہ وہ صنفِ نظم ہے جو امدادی طور پر وجود میں آتی ہے اور شاعر امدادِ ناکسی کی مدح و ستائش کرتا ہے۔ اس ضمن میں وہ بعض اوقات زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتا ہے۔ قصیدہ بہت پرانی صنفِ نظم ہے اور یہ عربی کے علاوہ فارسی میں بھی وافر ذخیرے کی صورت میں موجود ہے۔ قصیدے اور غزل کی ہیئت ایک ہی ہے۔ وہی مطلع و مقطع اور وہی آغاز سے اختتام تک ردیف اور قافیہ کا اہتمام۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی زمانے میں غزل بھی قصیدے ہی کا حصہ ہوتی تھی۔ قصیدے کو عام طور پر چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: تشبیب، گریز، مدح اور دعا۔ اُردو قصیدہ گوئی میں مرنا محمد رفیع سودا اور شیخ ابراہیم ذوق کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جماعتِ نہم

میں مذکر
کے ضمن
لفاظ اور

مشتی
سا
تقسیم نہ ہو
ن
کی
م
سا
تقسیم

ہے جو
-
سی
کا
ر

جماعت خیم

میں مذکر
کے ضمن
لفاظ اور

غزل
مشتی
سا
تقسیم نہ ہو
ن
کی
م
سا
تقسیم

مشتی
مشتی
مشتی
مشتی
مشتی

قوی نظم ہے جو
بہادر ہے۔
بہادر ہے
بہادر ہے

جماعت خیم

غزل

اصنافِ نظم میں غزل اہم ترین صنفِ شاعری ہے۔ اردو کے شعری ادب میں سب سے زیادہ سرمایہ بھی غزل ہی کا ہے۔ یہ وہ صنفِ نظم ہے جس میں عشق و محبت کا ذکر ہوتا ہے اور شاعر اپنے فکر و خیال کا تلہار اشارے کنایے کی زبان میں نہایت لطیف ہیرائے میں کرتا ہے۔

غزل کے لغوی معنی عورتوں سے باتیں کرنا یا عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف کرنا کے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب غزال (ملک عرب کا نہایت خوب صورت آہو) کو شکاری کتے دبوچنے کو ہوں تو اس کے ٹھہرے اس وقت جو دردناک چیخ نکلتی ہے، اسے غزل کہتے ہیں۔ گویا غزل میں عشق و محبت اور سوز و گداز کا نمایاں ہونا ضروری ہے۔ غزل کا دامن بہت وسیع ہے اور اب غزل میں ہر موضوع لایا جانے لگا ہے بلکہ کچھ قدر آور شاعروں مثلاً: علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خاں اور فیض احمد فیض وغیرہ نے غزل کا مفہوم ہی بدل کر رکھ دیا ہے اور غزل میں ہر قسم کے افکار و خیالات اور مشاہدات و تجربات کو پیش کیا جاتا ہے۔

مرثیہ: مرثیہ کے لغوی معنی غمِ عالم کے انداز میں کسی مرنے والے کا ذکرِ خیر اور اس کے اوصاف بیان کرنے کے ہیں۔ علامہ اقبال کی نظم ”والدہ مرحومہ کی یاد میں“ شخصی مرثیہ کی مثال ہے، جس کا آخری شعر ہے:

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نوزستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اردو میں سب سے زیادہ مرثیہ شہیدانِ کربلا کے لکھے گئے ہیں۔ اس حوالے سے میر انیس اور مرثاد بیر نے سب سے زیادہ شہرت پائی اور لازوال مرثیے یاد گار چھوڑے۔

مثنوی: مثنوی اردو کی ایک مقبول صنفِ نظم ہے۔ مثنوی میں ہر شعر کے دونوں مصرعے آپس میں ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں (ردیف ضروری نہیں) اور تمام شعر ایک دوسرے سے جداگانہ قافیہ اور ردیف رکھتے ہیں۔ مسلسل قافیہ کی عدم پابندی کی وجہ سے اس صنف میں لمبے چوڑے تاریخی واقعات اور طویل قصے کہانیاں سہولت کے ساتھ نظم کیے جاسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی اور اردو میں بعض مثنویاں بڑی طویل ہیں۔ مولانا حالی کے نزدیک مثنوی سب سے کار آمد صنفِ نظم ہے۔ ہمارے قومی شاعر علامہ اقبال نے بھی اسی صنف کو سب سے زیادہ برتنا ہے۔ ان کی مثنوی ”ساقی نامہ“ کا پہلا شعر ہے:

ہوا خیمہ زن کاروان بہار
ارم بن گیا دامن کوہسار

رباعی: رباعی سے مراد ایسی صنفِ شاعری ہے جس کے کل چار مصرعے ہوتے ہیں لیکن ان چار مصرعوں میں ایک مکمل مضمون بیان کیا جاتا ہے۔ بالعموم رباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ رباعی میں عام طور پر صوفیانہ جذبات جماعت خیم

و خیالات بیان کیے جاتے ہیں۔ رہائی اخلاقی شاعری کی ترجمان بھی جاتی ہے۔ خیال کے طور پر میرا تیس کی ایک تہذیب رہائی
ملاحظہ کریں:

گھٹن میں مہا کو جھستے ہو تیری ہے بلبل کی زباں پہ کُفت کو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا جس پھول کو سوگھتا ہوں، بو تیری ہے

قطعہ: اصطلاح شعر میں دو یا دو سے زیادہ شعروں کو، جو موضوع کے لحاظ سے ایک دوسرے سے متعلق ہوں، قطعہ کہتے ہیں۔ قطعہ
دو شعروں سے کم کا نہیں ہوتا اور زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ قطعہ میں بالعموم مطلع نہیں ہوتا۔ کسی قصیدے یا غزل کے
مسلل بیان یا اشعار کو بھی قطعہ کہتے ہیں۔ زمانہ حال کے معروف شاعر پروفیسر انور مسعود کا ایک قطعہ ہے:

جو چوٹ بھی لگی ہے وہ پہلی سے بڑھ کے تھی
ہر ضرب کربناک پہ میں تپلا اٹھا
پانی، سوئی گیس کا، بجلی کا، فون کا
بل اتنے بل گئے ہیں کہ میں بلبلا اٹھا

مخمس: اصطلاح میں مخمس ایسی نظم کو کہتے ہیں جس کا ہر بند پانچ مصرعوں پر مشتمل ہو۔ اس صنف کو بہت سے شاعروں نے برتا ہے۔
نظیر اکبر آبادی کی نظمیں: ”برسات کی بہاریں“، ”آدمی نامہ“ اور ”مفلسی“ وغیرہ مخمس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ ”برسات کی بہاریں“
کا ایک بند ہے:

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں
سبزوں کی لہلہا ہٹ، باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھم جھماوٹ، قطرات کی بہاریں
ہر بات کے تماشے، ہر گھات کی بہاریں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مُسَدّس: اصطلاح شعر میں مُسَدّس سے مراد ایسی نظم ہے جس کا ہر بند چھ مصرعوں پر مشتمل ہو۔ اس صنف کے پہلے چار مصرعے ہم قافیہ
و ہم ردیف ہوتے ہیں جب کہ پانچواں اور چھٹا مصرع الگ قافیہ کے حامل ہوتے ہیں۔ اُردو کے تمام بڑے بڑے شاعروں نے
اس صنف کو برتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کی معروف نظمیں: ”شکوہ“ اور ”جو اب شکوہ“ اسی ہیئت میں ہیں اور مولانا حالی کی معروف
نظم ”مُسَدّس مذہبِ اسلام“ جس کا اقتباس شامل کتاب ہے، اسی ہیئت میں ہے۔

(۶) شامل کتاب نظم ”محنت کی برکات“ صنف کے اعتبار سے کیا کہلائے گی؟

(۷) نظم ”محنت کی برکات“ کا مرکزی خیال لکھیں جو تین چار سطروں سے زیادہ نہ ہو۔

(۸) درج ذیل پیرا گراف توجہ سے پڑھیں اور آخر میں دیے گئے سوالوں کے جواب تحریر کریں۔

جانوروں کا تحفظ ہمارے ماحولیاتی نظام کی بقا اور تنوع کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ زمین پر موجود ہر جانور کا قدرتی ماحول اور ماحولیاتی توازن میں ایک مخصوص کردار ہوتا ہے، اور اگر کسی نوع کی تعداد کم ہو جائے یا وہ معدوم ہو جائے تو اس کے اثرات پورے نظام پر پڑ سکتے ہیں۔ انسانی سرگرمیوں جیسا کہ جنگلات کی کٹائی، غیر قانونی شکار اور ماحولیاتی آلودگی نے بہت سے جانوروں کی نسلوں کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ جانوروں کے تحفظ کے اقدامات کے ذریعے ہم نہ صرف ان انواع کو بچا سکتے ہیں بلکہ مستقبل کی نسلوں کے لیے ایک متوازن اور پائیدار ماحول بھی فراہم کر سکتے ہیں۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم قدرت کے ان قیمتی اثاثوں کی حفاظت کریں اور ان کے لیے محفوظ مقامات اور قوانین کو مضبوط بنائیں تاکہ وہ قدرتی ماحول میں آزادانہ زندگی گزار سکیں۔

سوالات: (الف) جانوروں کا تحفظ ہمارے ماحول کے لیے کیوں ضروری ہے؟

(ب) وہ کون سی انسانی سرگرمیاں ہیں، جو جانوروں کو خطرے سے دوچار کر سکتی ہیں؟

(ج) جانوروں کی نایاب انواع و اقسام کو کسی طرح بچایا جاسکتا ہے؟

(د) عبارت کا موزوں عنوان تجویز کریں۔

سرگرمی:

• طلبہ کسی ذریعے سے ”مُسنَد و جزیرِ اسلام“ حاصل کریں اور اس طویل نظم میں سے شامل کتاب پانچ بند تلاش کریں اور اس موضوع پر دو بند مزید شامل کر کے انھیں ٹیوٹوریل گروپ میں پیش کریں۔

اشاراتِ تدریس

- ۱۔ اساتذہ کسی ذریعے سے ”کلیاتِ حالی“ حاصل کریں اور اس میں مولانا کی دو نظمیں ”حُبِ وطن“ اور ”برکھا رت“ کے ابتدائی اشعار طلبہ کو سنائیں تاکہ مولانا حالی کا اسلوبِ بیان ان کے ذہن نشین ہو۔
- ۲۔ اساتذہ طلبہ سے مُسنَدِ حالی کا کوئی ایک بند زبانی سنیں۔ اگر وہ نہ سنا سکیں تو انھیں مُسنَدِ حالی کا وہ بند سنائیں جس کا پہلا مصرع ہے: ”وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا“ اور طلبہ سے اس بند کے مصرعوں کی تعداد پوچھنے کے بعد اس بند کے قافیے اور ردیف کے بارے میں بھی پوچھیں۔



علامہ محمد اقبالؒ

(۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء)

علامہ اقبالؒ سیال کوٹ میں، جو سرزمین پنجاب کا ہمیشہ سے ہی ایک مردم خیز خطہ رہا ہے، پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی شیخ نور محمد بڑے پرہیزگار اور عبادت گزار شخص تھے اور ان کی والدہ محترمہ امام بی بی بھی بڑی خلیق، نیک سیرت اور ناپیدہ و عابدہ خاتون تھیں جن کا زیادہ وقت یا تو بچوں کو تعلیم دینے یا پھر عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا۔ نیکو کار والدین سے تربیت پانے کے ساتھ ساتھ ابتدائی تعلیم سید میر حسن کی معروف درس گاہ سے حاصل کی۔ علامہ اقبالؒ اپنے مقام و مرتبہ کو ہمیشہ انہی کا فیض و ثمر سمجھتے تھے۔

علامہ اقبالؒ نے ایف اے مرے کالج سیال کوٹ جب کہ بی اے اور ایم اے (فلسفہ) کے امتحانات گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ پڑھانے کے لیے انھیں نامور فلسفہ دان پروفیسر تھامس آر نلڈ مل گئے جنھوں نے فلسفہ کے ساتھ ان کا فطری میلان دیکھ کر اس قدر ترقی جوہر کو اور بھی چکا دیا۔ پروفیسر تھامس آر نلڈ اپنے احباب میں اقبالؒ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کرتے تھے: ”ایسا شاگرد استاد کو محقق اور محقق کو محقق تر بنا دیتا ہے۔“

بعد ازاں اقبالؒ ۱۹۰۵ء سے لے کر ۱۹۰۸ء تک یورپ میں مقیم رہے جہاں انھوں نے لندن سے بار ایٹ لا اور جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

وطن واپس آکر آپ لاہور ہائی کورٹ میں وکالت بھی کرتے رہے مگر آپ کا اصل میدان شاعری تھا۔ ”انجمن حمایت اسلام“ کے جلسوں میں علامہ اقبالؒ کے نام سے رونق آجاتی تھی۔ آپ مسلمانوں کے زوال پر بے حد غم ناک اور انھیں دوبارہ بام عروج پر دیکھنے کے آرزو مند تھے۔ چنانچہ انھوں نے اسی بنا پر اپنی شاعری کے ذریعے خوابِ غفلت میں سوئے ہوئے مسلمانوں کو بیدار اور انھیں ساحلِ امید و یقین کی طرف رواں دواں کیا اور مسلمان نوجوانوں میں مردِ مومن اور شاہین جیسی اصطلاحات اور علامات کے ذریعے نئی روح پھونکنے کی کوشش کی۔ انھوں نے نہ صرف تصویرِ پاکستان پیش کیا بلکہ اس سلسلے میں قائدِ اعظمؒ کو بہت مفید عملی مشورے بھی دیے۔ شامل کتاب نظم ”جاوید کے نام“ ہر چند انھوں نے اپنے بیٹے جاوید اقبالؒ کو مخاطب ہو کر کہی ہے لیکن دراصل اس نظم میں وہ ہر مسلم نوجوان سے مخاطب ہیں۔

”بالمِ دریا“، ”بالِ جبریل“، ”ضربِ کلیم“ اور ”ارمغانِ حجاز“ (نصف حصہ) ان کے اردو شعری مجموعوں کے نام ہیں جو ”کلیاتِ اقبالؒ“ کی صورت میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

جاوید کے نام

مقاصد تدریس:

- ۱۔ طلبہ کو آگاہ کرنا کہ جب دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے علامہ اقبال لندن گئے ہوئے تھے تو ان کے فرزند جاوید اقبال نے، جو ان دنوں کم سن تھے، علامہ اقبال کو پہلا خط لکھا اور گراموفون لانے کی فرمائش کی۔ علامہ اقبال بیٹے کے لیے گراموفون تو نہ لاسکے مگر جاوید کے نام منسوب کر کے عالم اسلام کے نوجوانوں پر نظم لکھ لائے جس میں خودی کا پیغام ہے۔
- ۲۔ طلبہ کو علامہ اقبال کے اردو مجموعوں بالخصوص ”بانگ درا“ کے بارے میں بتانا کہ اس مجموعے میں انھوں نے بہت سی نظمیں صرف بچوں کے لیے لکھی ہیں اور ہر نظم میں ایک سبق پوشیدہ ہے۔

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر

نیا زمانہ، نئے صبح و شام پیدا کر

خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو

سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر

اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں

بغلاں ہند سے مینا و جام پیدا کر

میں شاخِ تاک ہوں میری غزل ہے میرا ثمر

برے ثمر سے مے لالہ قام پیدا کر

مرا طریقِ امیری نہیں فقیری ہے

خودی نہ بچِ غریبی میں نام پیدا کر

(بالِ جبریل)

جماعتِ نجم



(۱) نظم ”جاوید کے نام“ متن کے مطابق مصرعے مکمل کریں۔

- (الف) خدا اگر _____ فطرت شناس دے تجھ کو
(ب) سکوتِ لالہ و گل سے _____ پیدا کر
(ج) سفالِ ہند سے _____ پیدا کر
(د) مرا طریقِ امیری نہیں _____ ہے
(و) میں _____ ہوں میری غزل ہے میرا ثمر

(۲) نظم ”جاوید کے نام“ کے متن کو قدر نظر رکھتے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

- (الف) ”نئے صبح و شام“ پیدا کرنے سے علامہ اقبالؒ کی کیا مراد ہے؟
(ب) سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کرنے سے علامہ اقبالؒ کیا مفہوم مراد لیتے ہیں؟
(ج) شاخِ تاک کیا ہے اور اس ثمر سے علامہ اقبالؒ کیا پیدا کرنا چاہتے ہیں؟
(د) سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کرنے سے علامہ اقبالؒ کی کیا مراد ہے؟
(و) علامہ اقبالؒ نے اپنے طریق کو فقیری کیوں کہا ہے؟

(۳) اعراب لگا کر درست تلفظ واضح کریں۔

صبح و شام دل فطرت شناس شاخ تاک سفالِ ہند مینا و جام شیشہ گر ان فرنگ

خط نگاری

- خط ایک تحریری ملاقات ہے اس لیے خط کو ”نصف ملاقات“ بھی کہتے ہیں۔ خط لکھتے وقت درج ذیل امور کو پیش نظر رکھیں:
- ♦ خط کے آغاز میں پیشانی پر تسمیہ (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) لکھیں۔
 - ♦ خط لکھتے وقت یوں سمجھیں کہ آپ جسے خط لکھ رہے ہیں، وہ آپ کے روبرو بیٹھا ہے اور اس کے بڑے چھوٹے ہونے کا لحاظ رکھتے ہوئے بات کریں۔

♦ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں الفاظ کی پخت کرتے ہوئے مختصر طور پر لکھیں اور صرف مطلب کی باتیں لکھیں تاکہ پڑھنے والے کا وقت ضائع نہ ہو۔

♦ خط میں مقام رواجی، تاریخ، القاب و آداب اور نفس مضمون ملحوظ رکھتے ہوئے خط کا اختتام کیا جاتا ہے۔

(۴) ان ہدایات کی روشنی میں دوست کے نام گرمیوں کی چٹیاں اپنے یہاں گزارنے کی دعوت کے حوالے سے ایک خط لکھیں۔

(۵) کالم (الف) میں دیے گئے الفاظ کو کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ سے ملائیں۔

کالم (ب)	کالم (الف)
فرنگ	دل
ہند	سکوت
تاک	شیشہ گران
فطرت شناس	سفال
لالہ فام	شاخ
غریبی	مئے
لالہ وگل	فقیری

سرگرمیاں:

- ”بال جبریل“ میں ”جاوید کے نام“ سے ایک اور نظم بھی موجود ہے۔ طلبہ اس نظم کو اپنی کاپی میں لکھیں اور شامل کتاب نظم سے اس کا موازنہ کریں۔
- شامل کتاب نظم بہ عنوان ”جاوید کے نام“ کو تمام طلبہ چارٹ کی صورت میں خوش خط لکھیں۔ جس کا چارٹ اول آئے، اُسے جماعت کے کمرے میں نمایاں جگہ پر آویزاں کریں۔

اشاراتِ تدریس

- ۱۔ اساتذہ طلبہ کو نظم ”جاوید کے نام“ کے قوافی اور ردیف کی نشان دہی کرائیں۔
- ۲۔ اساتذہ ”بال جبریل“ میں موجود نظم ”ایک نوجوان کے نام“ بھی کلاس میں پڑھ کر سنائیں اور طلبہ کو آگاہ کریں کہ اس نظم میں بھی نوجوانوں کو خودی کا درس دیا گیا ہے۔
- ۳۔ اساتذہ علامہ اقبال کے اسلوب بیان پر روشنی ڈالتے ہوئے بتائیں کہ علامہ اقبال کو ملتِ اسلامیہ کے نوجوانوں سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔



شاہ عبداللطیف بھٹائی

(۱۶۸۹ء - ۱۷۵۲ء)

شاہ عبداللطیف بھٹائی کا شمار سندھ کی بزرگ ترین شخصیات میں ہوتا ہے۔ وہ سرزمین سندھ میں اپنے کردار و گفتار اور حسن عمل سے ایک دنیا کی فکری و روحانی تربیت اور فیوض و برکات کا باعث بنے اور اپنے سندھی کلام سے سندھ کو محبت، امن، رواداری اور بھائی چارے کا گہوارہ بنانے کی تعلیم دی۔ آپ کا آباد کردہ ریت کا ٹیلا ”بھٹ“ دنیا بھر میں بھٹ شاہ کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ کی سندھی شاعری کا مجموعہ ”شاہ جو رسالو“ کے نام سے شائع ہوا جس کا منظوم اردو ترجمہ شیخ ایاز نے کیا۔ شامل کتاب اقتباس ”شاہ جو رسالو“ کے ایک حصے سے مستعار چند اشعار کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔



شیخ ایاز (مترجم)

(۱۹۲۳ء - ۱۹۹۷ء)

شیخ ایاز، جن کا پورا نام شیخ مبارک علی ہے، کی جائے ولادت صوبہ سندھ کا شہر شکارپور ہے۔ آپ کے والد گرامی کا نام شیخ غلام حسین تھا جنھیں سندھی، فارسی اور اردو زبانوں کے ساتھ بڑا لگاؤ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے گھر میں اُس زمانے کے معروف رسائل: ”ہمایوں“، ”ادبی دنیا“ اور ”نیرنگ خیال“ وغیرہ باقاعدگی سے آتے تھے۔

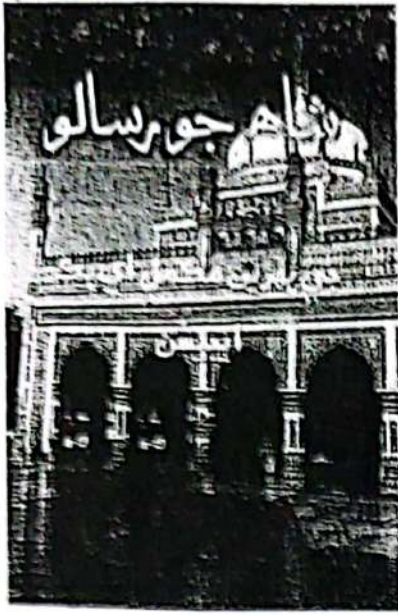
شیخ ایاز نے میٹرک تک کی تعلیم اپنے آبائی شہر شکارپور ہی میں حاصل کی۔ اس کے بعد وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے کراچی چلے گئے لیکن ناسازگار حالات کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر سکے اور شکارپور لوٹ آئے مگر حالات سازگار ہوتے ہی ازسرنو حصول تعلیم کا نانا جوٹا اور کراچی سے بی اے اور ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں اور کراچی ہی میں پریکٹس شروع کر دی مگر بعد میں ترک سکونت کر کے سکھر آ گئے اور تادم واپس پریکٹس بھی وہیں کرتے رہے۔

آپ کا پہلا ادبی کارنامہ شکارپور سے ادبی رسالے ”آگے قدم“ کا اجرا تھا۔ شیخ ایاز کو ان کی ادبی خدمات کی بنا پر حکومت پاکستان کی طرف سے ”ہلال امتیاز“ کا اعزاز دیا گیا۔ آپ نے کراچی میں وفات پائی مگر آپ کو شاہ عبداللطیف بھٹائی کے ساتھ بے پناہ عقیدت کی بنا پر ان کے مزار کے نزدیک ہی سپردِ خاک کیا گیا۔

شیخ ایاز کا شمار جدید سندھی ادب کے بانیوں میں کیا جاتا ہے۔ آپ کو مزاحمتی ادیب، ترقی پسند شاعر اور سندھی صوفی بزرگ شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کے منظوم مترجم کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔

جماعت نہم

پیام لطیف



مقاصد تدريس:

- ۱۔ طلبہ کو آگاہ کرنا کہ اردو زبان کے علاوہ دیگر پاکستانی زبانوں: پشتو، پنجابی، سندھی، سرائیکی اور بلوچی میں بھی صدیوں سے صوفیانہ رنگ کی شاعری کو پسند کیا جاتا ہے۔
- ۲۔ طلبہ کو منظوم تراجم کی روایت سے آگاہ کرنا۔
- ۳۔ طلبہ کو شیخ ایاز کی شاعرانہ خدمات بالخصوص شاہ عبد اللطیف بہاؤی کے کلام ”شاہ جو رسالو“ کے منظوم اردو ترجمے سے آگاہ کرنا۔
- ۴۔ طلبہ کو علمِ بدیع کی صنعتوں: صنعتِ تلمیح، صنعتِ تکرار، صنعتِ تضاد کے بارے میں بتانا اور تلخیص نگاری کے اصولوں سے آگاہ کرنا۔

تُو ہی قائم ہے اور تُو ہی قدیم
تیرا ہی آسرا ہے، ربِّ کریم
تُو ہی اعلیٰ ہے اور تُو ہی علیم
مازنی کائنات، ربِّ رحیم

تیری ہی ذاتِ اوّل و آخر
تجھ سے وابستہ ہر تمنا ہے
کم ہے جتنی کریں تیری توصیف
والی شش جہات، واحد ذات

دل سے مانا، زبان سے جانا
اس محمدؐ کا مرتبہ جانا
اپنی ہستی کو اُس نے پہچانا
وحدہ لاشریک ہے جانا

ایمانِ کامل کے ساتھ جس نے بھی
جس کی خاطر بنی ہے یہ دُنیا
فوقیت اُس کو دوسروں پہ ملی
جس نے اُس قادرِ حقیقی کو

گوہر بے بہا کو چھوڑ دیا
میری کشتی کے رُخ کو موڑ دیا
اپنی غفلت سے میں نے توڑ دیا

سنگ ریزوں سے بھر لیا دامن
موجِ طوفانِ معصیت نے آہ!
ہائے وہ عہد جس کو اے مالک!

(”شاہ جو رسالو“، منظوم اردو ترجمہ: شیخ ایاز)

(۱) نظم ”پیام لطیف“ کے متن کے مطابق مصرعے مکمل کریں۔

(الف) تیری ہی ذات _____

(ب) _____ ، ربّ رحیم

(ج) تیرا ہی آسرا ہے _____

(د) _____ کے ساتھ جس نے بھی

(و) جس نے اُس _____ کو

(۲) نظم ”پیام لطیف“ کے متن کو مد نظر رکھتے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

(الف) شاعر نے کس کا آسرا ڈھونڈا ہے؟

(ب) شاعر کے نزدیک دوسروں پر فوقیت کس کو ملتی ہے؟

(ج) شاعر نے ”تُو ہی اعلیٰ ہے اور تُو ہی علیم“ کسے کہا ہے؟

(د) ”شش جہات“ سے کون کون سی جہت مراد ہے؟

(و) شاعر نے گوہر بے بہا کو چھوڑ کر کس چیز سے اپنا دامن بھر لیا ہے؟

(و) شاعر کی کشتی کے رُخ کو کس چیز نے موڑ دیا ہے؟

(۳) کالم (الف) کو کالم (ب) کے ساتھ اس طرح ملائیں کہ نظم ”پیام لطیف“ کے مصرعے مکمل ہو جائیں۔

کالم (ب)
اور تُو ہی علیم
دوسروں پہ ملی
ربّ کریم
بھر لیا دامن
میں نے توڑ دیا
ربّ رحیم

کالم (الف)
تیرا ہی آسرا ہے
تُو ہی اعلیٰ ہے
فوقیت اس کو
مازنی کائنات
سنگ ریزوں سے
اپنی غفلت سے

(۴) نظم ”پیام لطیف“ کے درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کی تذکیر و تائید واضح ہو جائے۔

آسرا	تمنا	توصیف	مازق
دُنیا	کشتی	عہد	موج

علم بدیع

بدیع کے لغوی معنی تو انوکھا، نادر یا نئی چیز کے ہیں لیکن اردو ادب کی اصطلاح میں علم بدیع اس علم کو کہتے ہیں جس سے تحسین و تزئین کلام کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ علم بدیع کی دو قسمیں ہیں: صنائع لفظی اور صنائع معنوی، یعنی لفظوں اور معنوں کے لحاظ سے نکات اور باریکیاں بیان کرنا۔ صنائع لفظی و معنوی کا بیان بڑا تفصیل طلب ہے اور اس کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں سے معنوی لحاظ سے یہاں صرف تین اقسام کو بیان کیا گیا ہے۔

صنعتِ تلمیح: تلمیح کے لغوی معنی ہیں: اشارہ کرنا۔ ادب کی اصطلاح میں کلام میں کسی مشہور قصے، واقعے، شخصیت، جگہ، داستان یا روایت کی طرف اشارہ کرنے کو تلمیح کہتے ہیں۔ ایک مثال ملاحظہ کیجیے:

ابن مریم ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

اس شعر میں ”ابن مریم“ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے جو مردوں کو بحکم ربی زندہ کر دیا کرتے تھے۔

صنعتِ تکرار: تکرار کے لغوی معنی ہیں: بار بار دہرانا لیکن اصطلاح میں صنعت تکرار ایسی صنعت کو کہتے ہیں جہاں مصرعوں یا شعروں میں ایک لفظ کو دو بار یا دو سے زیادہ بار دہرایا جائے۔ جیسے: کیسے کیسے، کہاں کہاں، رفتہ رفتہ وغیرہ۔ مثلاً یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے

جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

صنعتِ تضاد: علم بدیع کی اصطلاح میں کلام میں دو ایسے الفاظ استعمال کرنا جو ایک دوسرے کے متضاد یا الٹ ہوں۔ مثال کے طور پر ہنسا

اور رونا، سیاہ اور سفید، امید و ناامیدی، رنج اور خوشی، مقدم اور مؤخر، زمین اور آسمان وغیرہ۔ مثلاً یہ شعر:

ہزار مرتبہ بہتر ہے بادشاہی سے اگر نصیب ترے کوچے کی گدائی ہو

اس شعر میں ”بادشاہی اور گدائی“ کے الفاظ ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔

(۵) درج ذیل اشعار میں نشان دہی کریں کہ صنعتِ تلمیح، صنعتِ تکرار یا صنعتِ تضاد میں سے کون سی صنعت استعمال ہوئی ہے۔

• مری قدر کر اے زمین سخن تجھے بات میں آسمان کر دیا

• کیا ضرور ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب آؤ نا ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

• دہن پر ہیں ان کے گماں کیسے کیسے کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے

تلفیص نگاری سے مراد کسی اقتباس یا عبارت کا غاصہ اس طرح بیان کرنا ہے کہ اس کا اختصار تقریباً جامع الفاظ میں ظاہر ہو جائے۔ تلفیص کرتے وقت درج ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے:

- تلفیص اصل جملے یا اقتباس کے ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔
- تلفیص میں مترادف الفاظ کا استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ جامع قسم کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔
- تلفیص میں تشبیہ یا مثال نہیں دیا کرتے۔
- اگر تلفیص میں ایک یا دو اہم معرفہ قبیل کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں تو وہ تلفیص میں ضرور آجائیں گے۔
- تلفیص کا عمل تشریح کے عمل کا متضاد ہوتا ہے یعنی کم از کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مفہوم ادا کیا جاتا ہے۔ مثلاً ذیل کے دو جملوں کی تلفیص کچھ یوں ہوگی:

میں نے آج یکم اکتوبر بروز جمعرات سکول میں اردو کے مضمون کا ٹیسٹ دیا۔

• میں نے آج سکول میں اردو کا ٹیسٹ دیا۔

گزشتہ دنوں اتوار کے روز ہم سب بہنوں بھائیوں نے اپنے والدین کے ہم راہ چڑیا گھر دیکھا۔

• اتوار کو ہم نے چڑیا گھر دیکھا۔

درج ذیل جملوں کی تلفیص کریں۔

(الف) جناب عالی! میں آپ کی ہر بات پر سر تسلیم خم کرتا ہوں۔

(ب) ہم نے احمد سے زیادہ عدل و انصاف، جرأت و ہمت، لطف و کرم اور جود و سخا کا حامل شخص نہیں دیکھا۔

سرگرمیاں:

- تمام طلبہ اپنے استاد کی راہ نمائی میں یا انٹرنیٹ سے سندھ کے صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کے بارے میں معلومات کو چارٹ پر لکھیں۔ جس کا چارٹ اوّل آئے، اُسے جماعت کے کمرے میں آویزاں کیا جائے۔
- نظم ”پیام لطیف“ میں جو پیام بیان ہوا ہے، اُسے طلبہ اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

اشارات تدریس

- ۱۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ ہر زبان کا اپنا مزاج ہوتا ہے۔ جب ایک زبان کی تحریر کا دوسری زبان میں ترجمہ کیا جاتا ہے تو دونوں زبانوں کے مزاج کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔
- ۲۔ اساتذہ طلبہ کو شاہ عبداللطیف بھٹائی کے مزار کی کوئی واضح تصویر یا مودی دکھائیں اور ان سے استفادہ کریں کہ انھوں نے اس تصویر یا مودی سے کیا اخذ کیا؟
- ۳۔ اساتذہ طلبہ کو فیاض آباد کا کوئی اور منظوم اقتباس پڑھ کر سنائیں اور اس کے بارے میں گفتگو کریں۔

جماعت نہم



دل اور فگار

(۱۹۲۹ء-۱۹۹۸ء)

اصل نام دل اور حسین اور فگار تخلص کرتے تھے۔ جائے ولادت بدایوں (یوپی، انڈیا) ہے جہاں ان کے والد گرامی شاکر حسین ایک مقامی سکول میں استاد تھے۔ شعر کہنے کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ ابتدا میں ”شباب“ تخلص کرتے تھے۔ والد کی ناگہانی وفات کے بعد بسلسلہ روزگار محکمہ ڈاک میں ملازمت اختیار کر لی لیکن اس کے باوجود اپنی تعلیم کا سلسلہ منقطع نہ ہونے دیا اور بی اے کرنے کے بعد تدریس و تعلیم کے پیشے سے منسلک ہو گئے۔ اسی دوران میں آگرہ یونیورسٹی سے اردو اور معاشیات کے مضامین میں ایم اے کے امتحانات پاس کر لیے اور بدایوں کو خیر باد کہہ کر کراچی چلے آئے اور پھر اسی شہر کو اپنا مسکن بنالیا۔ بعد ازاں کچھ عرصہ تک ”کراچی ڈیولپمنٹ اتھارٹی (کے ڈی اے)“ میں بھی ملازمت کی۔

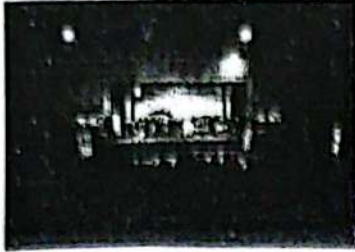
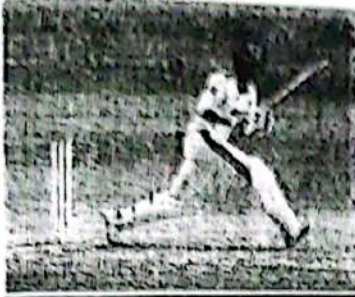
دل اور فگار فطری طور پر موزوں طبع واقع ہوئے تھے۔ ابتدا میں سنجیدہ شاعری کرتے تھے جس کا مجموعہ ”حادثے“ کے عنوان سے شائع ہوا۔ انھی دنوں ایک دوست کو کچھ مزاحیہ نظمیں لکھ کر دینا شروع کیں تو ان نظموں کو بڑا پسند کیا گیا۔ جب دوستوں کو معلوم ہوا کہ ان نظموں کے خالق دل اور فگار ہیں تو دوستوں نے کہا کہ آپ کا میلان طبع تو مزاح کی طرف ہے اور مزاحیہ نظمیں کہنے کے لیے اصرار کیا تو مزاحیہ رنگ میں کہنے لگے اور ان گنت نظمیں کہ ڈالیں۔

دل اور فگار کے شعری مجموعوں میں ”انگلیاں فگار اپنی“، ”ستم ظریفیاں“، ”شامت اعمال“، ”آداب عرض“، ”مطلع عرض ہے“، ”خدا جھوٹ نہ بلوائے“، ”چراغ خنداں“ اور ”کہانیاں معاف“ شامل ہیں۔ یہ سب مجموعے ”تکلیات فگار“ کی شکل میں بھی چھپ گئے ہیں۔ دل اور فگار نے معروف امریکی سیاست دان اور امریکہ کے صدر جی کارٹر کی کتاب: ”Why Not the Best?“ کا ”خوب تر کہاں“ کے نام سے اردو ترجمہ کیا۔ حکومت پاکستان کی طرف سے ان کی علمی و ادبی خدمات کی بنا پر انھیں بعد از وفات تمغائے حسن کارکردگی سے نوازا گیا۔

دل اور فگار بڑے زود اور بسیار گو واقع ہوئے تھے اور ایک ہی نشست میں درجنوں شعر کہہ دیتے تھے اور ہر بار نئے موضوع پر کہتے تھے۔ دل اور فگار کو ان کی مزاحیہ شاعری اور ان کے ظریفانہ رویوں کی بنا پر ”شہنشاہ ظرافت“ اور ”اکبر ثانی“ کے القابات سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

شامل کتاب نظم ”کرکٹ اور مشاعرہ“ میں شاعر نے حقیقت حال بیان کرتے ہوئے مزاحیہ دل آویز انداز میں کرکٹ کے کھیل کا موازنہ مشاعرے کے ساتھ کیا ہے۔

کرکٹ اور مشاعرہ



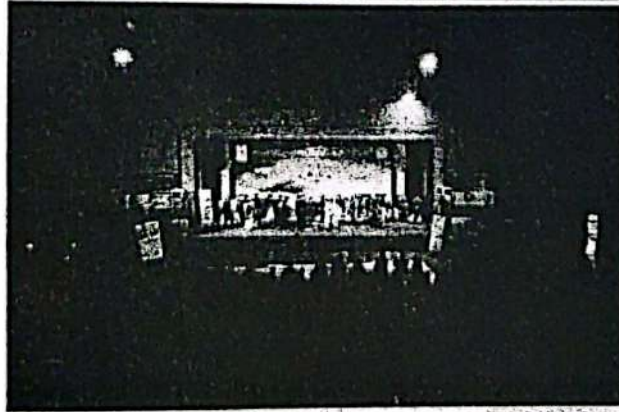
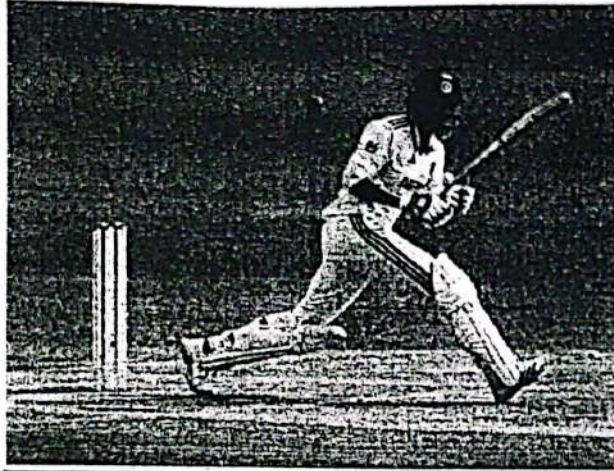
مقاصد تدریس:

- ۱۔ طلبہ کو اردو کی ظرفیہ شاعری کی روایت سے آگاہ کرنا۔
- ۲۔ طلبہ کو بتانا کہ طنزیہ و مزاحیہ شاعری دراصل زندگی کے ناہمواریوں کا بیان ہے۔
- ۳۔ طلبہ کو لادور و نگار کے کلام کی شعری خصوصیات سے آگاہ کرنا۔
- ۴۔ طلبہ کو بتانا کہ اردو نظم و نثر میں دوسری زبانوں کے عام فہم الفاظ کا استعمال بالکل درست ہے۔
- ۵۔ طلبہ میں شعری شعور اور حس مزاح بیدار کرنا۔
- ۶۔ طلبہ کو علم بیان کی قسموں: مجاز مرسل اور کنایہ سے آگاہ کرنا اور جملہ کی اقسام: جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کے بارے میں بتانا۔

مشاعرہ کا بھی تفریح ایم^۱ ہوتا ہے
 مشاعرہ میں بھی کرکٹ کا گیم^۲ ہوتا ہے
 وہاں جو لوگ کھلاڑی ہیں وہ یہاں شاعر
 یہاں جو صدر نشین ہے وہاں ہے امپائر^۳
 وہاں ریاضِ مسلسل سے کام چلتا ہے
 یہاں گلے کے سہارے کلام چلتا ہے
 وہاں بھی کھیل میں نوبال^۴ ہو تو فاول^۵ ہے
 یہاں بھی شعر میں اہمال ہو تو فاول^۵ ہے
 وہاں ہے ایل بی ڈبلیو^۶ یہاں یہ چکر ہے
 کہ عندلیب موٹس ہے یا منڈر ہے
 وہاں بھی صرف مقدر کا کھیل ہوتا ہے
 جو آن کی ہے یہاں بھی وہ فیل^۷ ہوتا ہے
 وہاں ہے ایک ہی کپتان پوری ٹیم^۸ کی جان
 یہاں ہر ایک پلیئر^۹ بجائے خود کپتان

یہاں کچھ ایسے بھی کہتاں پائے جاتے ہیں
 جو دن^① بتاتے نہیں ہٹ لگائے جاتے ہیں
 وہاں جو لوگ اتاری ہیں وقت کاٹتے ہیں
 یہاں بھی کچھ متضام^② دماغ چاٹتے ہیں
 ہوا کرے اگر اسکو^③ اس کا زیرو^④ ہے
 یہاں جو شخص پھسڑی ہے وہ بھی ہیرو^⑤ ہے
 اب نواز پہ شاؤٹ^⑥ یہاں بھی ہوتے ہیں
 یہ بد نصیب دن آؤٹ^⑦ یہاں بھی ہوتے ہیں
 مرے خیال کو اہل نظر کریں گے کچھ
 مشاعرہ بھی ہے اک طرح کا کرکٹ میچ

(خدا جھوٹ نہ بلوائے)



① Run, ② Score, ③ Zero, ④ Hero, ⑤ Shout, ⑥ Run out

۱) نظم ”کرکٹ اور مشاعرہ“ کے متن کے مطابق مصرعے مکمل کریں۔

(الف) مشاعرہ میں بھی کرکٹ کا _____ ہوتا ہے

(ب) یہاں جو _____ ہے وہاں ہے اسپائر

(ج) یہاں بھی کچھ _____ دماغ چانتے ہیں

(د) یہ بد نصیب _____ یہاں بھی ہوتے ہیں

(ه) مشاعرہ بھی ہے اک طرح کا _____

۲) نظم ”کرکٹ اور مشاعرہ“ کے متن کو مد نظر رکھتے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

(الف) شاعر نے کرکٹ کو مشاعرے کے مماثل کیوں قرار دیا ہے؟

(ب) کرکٹ میں جو شخص اسپائر کہلاتا ہے، مشاعرے میں اسے کس نام سے پکارا جاسکتا ہے؟

(ج) شاعر نے کرکٹ میں ایل بی ڈبلیو ہونے والے کھلاڑی کو مشاعرے میں کس شاعر کے مشابہ قرار دیا ہے؟

(د) شاعر نے کرکٹ کے اناڑی کھلاڑیوں کو مشاعرے کے کن لوگوں کی مانند کہا ہے؟

(ه) مشاعرے میں رن آؤٹ ہونے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

۳) درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کی تذکیر و تانیث واضح ہو جائے۔

مشاعرہ کرکٹ مقدر اناڑی متشاعر میچ

۴) درج ذیل الفاظ کا درست تلفظ اعراب لگا کر واضح کریں۔

تفریح عندلیب مشاعرہ اہمال بد نصیب

۵) درج ذیل تراکیب و محاورات کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

ریاضی مسلسل مقدر کا کھیل وقت کا نانا دماغ چائنا اہل نظر

سبق ”ابتدائی حساب“ کی مشق میں علم بیان کی تعریف اور تشبیہ واستعارہ کا ذکر مکمل ہو چکا ہے۔ یہاں مجاز مرسل اور کنایہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مجاز مرسل: ♦ آپ ”الحمد“ سنائیں (جز سے گل) ♦ میں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں (گل سے جز)

♦ ایک گلاس پیلو (ظرف سے مظروف) ♦ پانی لے آؤ (مظروف سے ظرف)

پہلے جملے میں ”الحمد“ کہہ کر پوری سورہ فاتحہ مراد ہے یعنی جز سے گل مراد لیا گیا ہے۔ دوسرے جملے میں ”میں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں“، چوں کہ کانوں میں انگلی کا کچھ حصہ ہی جاسکتا ہے، اس لیے گل کہہ کر جز مراد لیا گیا ہے۔ تیسرے جملے میں ”گلاس“ سے پانی مراد ہے جو گلاس کے اندر موجود ہے یعنی ظرف کہہ کر مظروف مراد لیا گیا ہے۔ اسی طرح چوتھے جملے میں پانی سے مراد وہ برتن ہے جس کے اندر پانی ہے، یعنی مظروف کہہ کر ظرف مراد لیا گیا ہے۔

یہ سب مجاز مرسل کی صورتیں ہیں۔ اسی طرح مجاز مرسل کی بہت سی صورتیں روزمرہ بول چال میں آتی ہیں۔ گویا مجاز مرسل کی تعریف یوں ہوئی کہ:

”جب کوئی لفظ حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ اس میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو تو اسے مجاز مرسل کہتے ہیں۔“

(۶) درج ذیل مثالوں میں مجاز مرسل کی نشان دہی کریں۔

(الف) نہر بہ رہی ہے۔

(ب) آسمان سے سونا برس رہا ہے۔

(ج) قلم تلواریں سے طاقت ور ہے۔

کنایہ: کنایہ کے معنی ہیں اشارے سے بات کہنا اور کنایہ کی اصطلاحاً تعریف ہے:

”کسی لفظ سے ایسی بات مراد لینا جو اس کے معنوں کو لازم ہو۔“ ”شتر بے مہار“ کا مفہوم زبان دراز یا بے ہودہ باتیں کرنے والا ہے اور ”پیٹ کا ہلکا“ کنایہ ہے ناز کی بات کہہ دینے والے کی طرف۔

”شتر بے مہار“ کے معنی ہیں ”وہ اونٹ جس کی تکمیل نہ ہو“۔ دوسرے مرگب کے معنی ہیں: ”ہلکے پیٹ والا آدمی“ لیکن جب ان کلمات سے ایسے معانی مراد لیے جائیں جو ان کے اصل معنوں کے لیے لازمی یا صفاتی ہیں تو اس لفظ یا کلمے یا مرگب کو کنایہ کہیں گے۔ جب اونٹ کی تکمیل نہ ہوگی تو وہ لازماً بلبلا تا پھرے گا۔ ہلکے پیٹ کی لازمی صفت ہوگی کہ کوئی چیز اس میں نہ ٹھہرے اور وہ ناز کی بات جلد اگل دے۔ کنایہ علم بیان کی بہت اچھی صورت ہے جس سے تحریر و تقریر میں لطف پیدا ہوتا ہے۔

- (الف) مظلوموں اور ناداروں کے لیے اس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔
(ب) بڑھیا کی بیٹی کا کوئی رشتہ نہ آیا اور سر کے بالوں میں چاندی اتر آئی۔

جملے کی اقسام

جملے کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ذیل میں صرف دو مشہور قسموں کا ذکر کیا جاتا ہے:

♦ جملہ اسمیہ

جملہ اسمیہ: وہ جملہ ہے جس میں مُسند الیہ اور مُسند دونوں اسم ہوں اور اس کے آخر میں فعل ناقص آئے۔ مثلاً: حمید ذہین ہے۔

اس مثال میں ”حمید“ اور ”ذہین“ دونوں اسم ہیں اور ”ہے“ فعل ناقص ہے۔ چنانچہ یہ جملہ، جملہ اسمیہ ہوا۔

جملہ فعلیہ: وہ جملہ ہے جس میں مُسند الیہ اسم ہو اور مُسند فعل ہو۔ مثلاً: جمیل پڑھتا ہے۔ اس جملے میں ”جمیل“ اسم ہے اور ”پڑھتا ہے“

فعل ہے۔ چنانچہ یہ جملہ، جملہ فعلیہ ہوا۔

جملہ فعلیہ کے تین اجزا ہوتے ہیں: فاعل، مفعول اور فعل تام۔ مُسند الیہ کو فاعل، مُسند کو مفعول اور آخر میں آنے والے

فعل کو فعل تام کہتے ہیں۔ مثلاً: حمید نے سیب کھایا۔ اس مثال میں ”حمید“ فاعل ہے، ”نے“ علامتِ فاعل، ”سیب“ مفعول

اور ”کھایا“ فعل تام ہے۔

جملہ اسمیہ کی ترکیب نحوی	جملہ فعلیہ کی ترکیب نحوی
اسلم گھر پر موجود ہے۔	بچوں نے کتاب میز پر رکھ دی۔
اسلم۔۔۔ مبتدایا اسم	بچوں۔۔۔ فاعل
گھر۔۔۔ انم مجرور	نے۔۔۔ علامتِ فاعل
پر۔۔۔ حرف جار	کتاب۔۔۔ مفعول
موجود۔۔۔ خبر	میز۔۔۔ انم مجرور
ہے۔۔۔ فعل ناقص	پر۔۔۔ حرف جار
•	رکھ دی۔۔۔ فعل

(۸) درج ذیل جملوں کی ترکیب نحوی کریں۔

(الف) احمد بہت لائق ہے۔

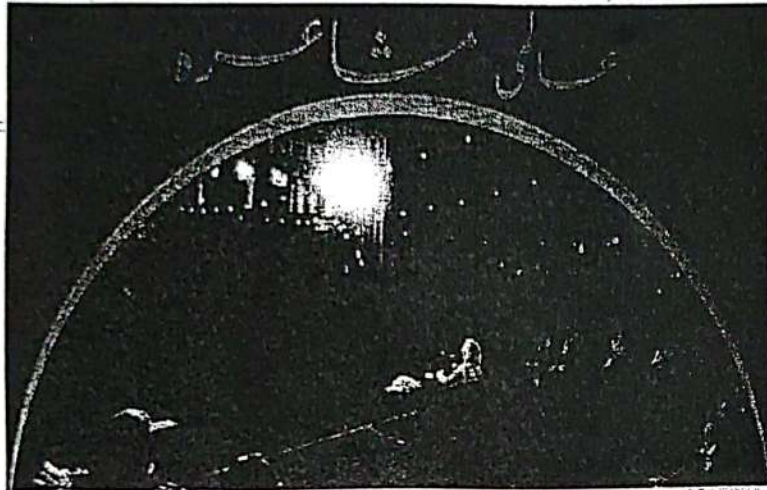
(ب) کتابی کے پیچھے دوٹا۔

سرگرمی:

کوئی بلند آہنگ طالب علم دلاور وگاری یہ نظم کا اس میں مزاحیہ انداز میں سنائے۔

اشارات پڑھیں

- ۱۔ طلبہ کو طنزیہ و مزاحیہ شاعری کے معاشرے پر پڑنے والے اثرات کے بارے میں بتایا جائے۔
- ۲۔ اساتذہ طلبہ کو اس نظم میں آنے والے تمام انگریزی الفاظ کے جے (سپیلنگ) بتائیں۔
- ۳۔ اساتذہ طلبہ کو اُردو کے دلاور مزاحیہ شاعروں: سید محمد جعفری اور سید خمیر جعفری کے بارے میں بھی معلومات دیں۔
- ۴۔ اساتذہ طلبہ کو مزاحیہ شاعروں کے ایسے اشعار سنانے کو کہیں جو زبان زد خاص و عام ہیں۔





میر تقی میر

(۱۷۲۳ء-۱۸۱۰ء)

اصل نام میر محمد تقی تھا اور میر تخلص کرتے تھے۔ جائے ولادت اکبر آباد (آگرہ، انڈیا) ہے۔ والد گرامی کا نام میر علی تقی تھا جو ایک درویش منش، عاشق صالح اور شب بیدار صوفی تھے۔ اگرچہ والد کا سایہ اُس وقت ہی سر سے اٹھ گیا تھا جب میر کی عمر فقط گیارہ سال تھی مگر اُن کی باتیں عمر بھر دل پر نقش رہیں۔ میر اپنی خود نوشت ”ذکر میر“ میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے ایک دن مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”اے بیٹے! عشق اختیار کر کیوں کہ بے عشق زندگی وبال ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہے، عشق کا مظہر ہے۔ کائنات کی سب

چیزیں عشق میں سرگرداں ہیں۔ دنیا ایک ہنگامے سے زیادہ کچھ نہیں۔ کسی ایسے کا عاشق بن، جس کا یہ دنیا آئینہ ہے۔“

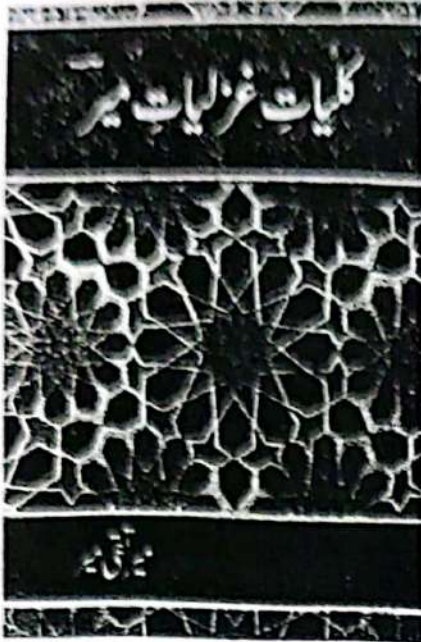
چنانچہ میر کی ساری عمر عشق سے عبارت ہے اور عشق میں درد و غم اور ہجر و فراق سے واسطہ پڑنا ایک لازمی امر ہے۔ والد کے انتقال کے ساتھ ہی میر کی پریشانیوں کا آغاز ہو گیا۔ تلاشِ معاش کی فکر انھیں آگرے سے دلی لے آئی۔ پہلے ایک نواب کے یہاں ملازم ہوئے، پھر اپنے ماموں سراج الدین خان آرزو کے زیر دست رہے اور اُن کی بد سلوکی سے دل برداشتہ ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب نادر شاہ، احمد شاہ ابدالی، مرہٹوں اور سکھوں کے تار تار حملوں نے دلی کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا اور لوگ ترک سکونت اور ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، چنانچہ میر تقی میر بھی عاجز آکر ساٹھ سال کی عمر میں لکھنؤ چلے گئے اور زندگی کے باقی ایام وہیں گزار کر مابہی نلک عدم ہوئے۔ چنانچہ ان حالات کے زیر اثر میر کا کلام بھی درد و سوز سے لبریز ہے۔

میر کو غزل کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ انھوں نے تقریباً ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے مگر ان کی شناخت غزل سے اور غزل کی شناخت ان سے ہے۔ انھوں نے غزل میں سادہ بیانی کو شعار بنایا اور اس میں وہ تاثر پیدا کیا کہ اُردو کے عظیم شاعروں: ناسخ، فوق، غالب، حسرت، مجروح اور اکبر الہ آبادی جیسے نام در شاعروں نے ان کی عظمت کو سلام اور انھیں اپنا استاد تسلیم کیا۔

میر کی زبان، شستہ، سادہ اور پاکیزہ ہے۔ ان کے بیان میں عاشقانہ مضامین اور سوز و گداز کی بہتات ہے۔ تصوف کے مضامین بھی موجود ہیں جو اُن کے عہد کی سیاسی و معاشرتی حالات کی عکاسی کرتے ہیں۔ شامل کتب غزل ان میں سے ایک ہے۔



غزل



مقاصد تدریس:

- ۱۔ طلبہ کو اردو غزل کے مضامین و موضوعات سے روشناس کرنا۔
- ۲۔ طلبہ کو اردو غزل کی تاریخ میں میر تقی میر کے مقام و مرتبے سے آگاہ کرنا۔
- ۳۔ طلبہ کو میر تقی میر کے انداز بیان سے متعارف کرنا۔
- ۴۔ طلبہ کو سہل مستح کے معنی و مفہوم سے روشناس کرنا اور اس کی مثالیں دینا۔

فقرانہ آئے، صدا کر چلے
 میاں خوش رہو، ہم دعا کر چلے
 جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
 سو اس عہد کو اب دنا کر چلے
 شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی
 کہ مقدور تک تو دوا کر چلے
 دکھائی دیے یوں کہ بے خود کیا
 ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے
 جہیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی
 حق بندگی ہم ادا کر چلے
 نہ دیکھا غم، دوستاں، شکر ہے
 ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے
 کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میر
 جہاں میں تم آئے تھے، کیا کر چلے

(گلیات غزلیات میر)

۱) میر کی شامل کتاب غزل کے متن کے پیش نظر مختصر جواب لکھیں۔

(الف) شاعر نے فقیرانہ انداز میں کن لفظوں میں دعا کی ہے؟

(ب) شاعر نے اپنے کس عہد کو وفا کہا ہے؟

(ج) شاعر کو مقدور تک دو کرنے کے باوجود شفا کیوں نہ ملی؟

(د) شاعر کے نزدیک حق بندگی کس طرح ادا ہوا ہے؟

(و) شاعر نے کس بات کا شکر ادا کیا ہے؟

۲) میر کی شامل کتاب غزل کے متن کے پیش نظر مصرعے مکمل کریں۔

(الف) _____ اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی

(ب) دکھائی دیے یوں کہ _____ کیا

(ج) جیں _____ کرتے ہی کرتے گئی

(د) _____ ہم ادا کر چلے

(و) نہ دیکھا _____ شکر ہے

۳) مطلع اور مقطع کسے کہتے ہیں؟ میر کی اس غزل سے مثالیں دیں۔

۴) قافیہ کسے کہتے ہیں اور ردیف کیا ہوتی ہے؟ اس غزل میں قافیہ اور ردیف کی نشان دہی کریں۔

۵) درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کی تذکیر و تانیث واضح ہو جائے۔

شفا	تقدیر	عہد	صدا
داغ	غم دوستاں	سجدہ	جیں

سرگرمیاں:

- کوئی خوش الحان طالب علم جماعت کے کمرے میں درست آہنگ کے ساتھ اس غزل کی بلند خوانی کرے۔
- تمام طلبہ میر کی اس غزل کو ذہنی یاد کریں۔
- طلبہ ”کلیات غزلیات میر“ میں سے کوئی اور معروف غزل اپنی کاپی میں لکھیں اور دوستوں کو سنائیں۔

استادات تدریس

- ۱۔ طلبہ کو غزل کی ہیئت ترکیبی کے بارے میں بتایا جائے اور ان پر واضح کیا جائے کہ غزل کا ہر شعر جداگانہ معنی و مفہوم کا حامل ہوتا ہے۔
- ۲۔ اردو غزل کے ابتدائی دور خصوصاً خواجہ میر درد اور میر سونا کے دور کا ذکر کیا جائے۔
- ۳۔ طلبہ کو بتایا جائے کہ میر کے بعد آنے والے کم و بیش تمام شاعروں نے میر کی شاعرانہ عظمت کو تسلیم کیا ہے اور اس ضمن میں طلبہ کو استاد ابراہیم ذوق اور مرثا غالب کے یہ دو شعر لکھوائے جائیں۔

نہ ہوا، پر نہ ہوا، میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں ملا

رہنے کے نہیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا





خواجہ حیدر علی آتش

(۱۸۳۹ء-۱۷۶۳ء)

خواجہ حیدر علی، جو آتش تخلص کرتے تھے، کا تعلق دلی کے ایک معزز خاندان سے تھا۔ ان کے والد نواب شجاع الدولہ کے عہد حکومت میں ترک سکونت کر کے فیض آباد چلے گئے۔ اس زمانے میں اودھ کا دارا حکومت فیض آباد تھا، لکھنؤ بعد میں ہوا۔ صغریٰ میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو انھوں نے روایتی تعلیم کو خیر باد کہہ دیا اور مزاج میں بانک پن آگیا۔ ذریعہ معاش کی ضرورت محسوس ہوئی تو ایک نواب کی ملازمت اختیار کر لی اور انھی کے ساتھ فیض آباد سے لکھنؤ آ گئے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب شعر و شاعری کا بڑا چرچا تھا، خصوصاً لکھنؤ میں بڑی گرم باناری تھی، یہ بھی اسی رنگ میں رنگے گئے۔ شعر و شاعری میں نام پیدا کرنے کا شوق ہوا تو مصحفی کے شاگرد ہو گئے اور چند ماہ کی محنت سے ایسی مشق بہم پہنچائی کہ خود صاحب طرز شاعر ٹھہرے اور دور و نزدیک ان کا شہرہ ہو گیا۔

خواجہ حیدر علی آتش نے اپنی ساری عروض داری میں برکی۔ ان کی زندگی بڑی سادہ تھی مگر زندگی بتانے کا ایک خاص قرینہ اور ڈھب تھا اور وہ آزاد مزاج اور لائبال پن کے حامل واقع ہوئے تھے۔ ہمیشہ سپاہیانہ وضع قطع میں رہتے تھے اور بانک پن کے ساتھ میان میں تلوار باندھے رکھتے تھے، یہاں تک کہ مشاعروں میں بھی تلوار باندھ کر جاتے تھے۔ قناعت پسند ایسے تھے کہ کبھی کسی نواب یا امیر کی خوشامد نہیں کی البتہ ان کے شاگرد، جن کی تعداد کافی تھی، کبھی کبھی ان کے ساتھ سلوک (رفتی مدد) کرتے تھے۔

یہ وہ زمانہ ہے جب شعر و شاعری کے حوالے سے لکھنؤ دو طبقوں میں بٹا ہوا تھا: ایک طبقہ جانب دارانِ ناسخ کا تھا اور دوسرا طبقہ جانب دارانِ آتش کا۔ ان کے آپس میں مقابلے ہوتے رہتے تھے جن سے اردو شاعری کو یہ فائدہ پہنچا کہ دونوں استادانِ فن مقابلے کے خیال سے طبیعت پر زور دے کر شعر کہتے تھے اور ان کی لطیف پیرائے میں نوک جھونک بھی ہوتی رہتی تھی مگر تہذیب کے دائرے سے کبھی باہر نہ نکلتے تھے، جیسا کہ آتش کی شامل کتاب معروف غزل کے مقطع کا اشارہ بھی امام بخش ناسخ کی جانب ہے:

یوں مدعیِ حسد سے نہ دے داد تو نہ دے

آتش غزل یہ تو نے کبھی عاشقانہ کیا

غزل

مقاصد تدریس:

- ۱۔ طلبہ کو اردو غزل کے مضامین اور موضوعات کے بارے میں بتانا۔
- ۲۔ طلبہ کو یاد کرانا کہ غزل علامہ ورموز (اشارہ، کنایہ) کی زبان ہوتی ہے۔
- ۳۔ طلبہ کو خواجہ حیدر علی آتش کے زمانے تک اردو غزل کے ارتقاء سے آگاہ کرنا۔
- ۴۔ طلبہ کو خواجہ حیدر علی آتش کے اسلوب بیان اور ان کی شعری خصوصیات سے آگاہ کرنا۔
- ۵۔ طلبہ کو ضرب المثل کے معنی و مفہوم سے آگاہ کرنا اور غزل کے اشعار کی تشریح کرنے کے بارے میں بتانا۔

آتش

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا
زیر زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بکف
قاروں نے ماسے میں لٹایا خزانہ کیا
اڑتا ہے شوقِ راحت منزل سے اسپِ غم
مہیز کہتے ہیں کے اور تازیانہ کیا
میل و غم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا
بے تاب ہے کمال ہمارا دلِ حزیں
مہماں سرائے جسم کا ہو گا روانہ کیا
یوں مدعیِ حد سے نہ دے داد تو نہ دے
آتشِ غزل یہ تُو نے کبھی عاشقانہ کیا
(کلیاتِ آتش)

• •

۱۲۳

۱) خواجہ حیدر علی آتش کی اس غزل کے متن کے پیش نظر مختصر جواب لکھیں۔

(الف) زیر زمیں سے جو گل بھی آتا ہے وہ زربکف کیوں ہوتا ہے؟

(ب) اسپ عمر مہمیز اور تازیانے کے بغیر ہی کیوں اٹا جاتا ہے؟

(ج) طبل و غلم اور ملک و مال کن لوگوں کے پاس ہوتا ہے؟

(د) ہمارا دل حزیں کیوں کمال بے تاب ہے؟

(ه) شاعر غزل کے مقطع میں کس سے غزل کی داد پانے کا خواست گار ہے؟

۲) غزل کے متن کو مد نظر رکھ کر کالم (الف) میں دیے گئے الفاظ کو کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ کے ساتھ ملائیں۔

کالم (ب)
داد
تازیانہ
عاشقانہ
غائبانہ
زربکف
راحتِ منزل
خزانہ

کالم (الف)
خلقِ خدا
گل
قاروں
اسپِ عمر
مہمیز
مدعی
غزل

۳) درج ذیل الفاظ کا درست تلفظ اعراب لگا کر واضح کریں۔

رستم	مدعی	طبل و غلم	مہمیز	زربکف	خلقِ خدا
------	------	-----------	-------	-------	----------

ضرب المثل

ضرب کے معنی ہیں بیان کرنا اور مثل کے معنی ہیں مثال۔ چنانچہ ضرب المثل کے معنی ہوئے مثال دے کر بیان کرنا۔ مگر یہ مثالیں عام نہیں، خاص ہوتی ہیں اور مثل کے چند لفظوں میں ایک پوری کہانی، ایک پورے قصے یا واقعے کا حوالہ ہوتا ہے جسے اس جیسے کسی اور موقع پر دہرایا جاتا ہے اور وہ چند الفاظ میں یا پڑھ کر پورا قصہ ذہن میں آجاتا ہے۔ ضرب المثل کو اردو میں کہاوت بھی کہتے ہیں۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں اور قوموں کا کوئی درجہ ایسا نہیں جس میں ضرب المثل کا رواج نہ ہو۔ اردو زبان چوں کہ کئی زبانوں سے مل کر بنی

ہے اس لیے اردو میں ضرب المثل کا ذخیرہ بھی بہت زیادہ ہے۔ روز مرہ گفت گو میں استعمال ہونے والی چند ضرب الامثال یہ ہیں:

- اُلے بانس بریلی کو
- بوڑھی گھوڑی لال اکام
- چور کی ڈاڑھی میں تنکا
- ایک ایک، دو گیارہ
- ایک اندر، سو بیار
- زبانِ خلق کو تقارہ خدا سمجھو

(۴) اپنے استاد محترم سے مذکورہ ضرب الامثال کا مفہوم معلوم کریں اور یہ سمجھیں کہ انھیں کن موقعوں پر استعمال کیا جاتا ہے۔

غزل کے شعری تشریح کرنا

غزل کے شعری تشریح کرنا نظم کے شعری تشریح سے مختلف ہوتا ہے۔ نظم کے تمام شعر مل کر ایک مفہوم دیتے ہیں جب کہ غزل کا ہر شعر ایک علیحدہ اکائی کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر شعر کا مفہوم جداگانہ ہوتا ہے۔ چنانچہ غزل کے شعری تشریح کرتے وقت درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

- تشریح آسان الفاظ میں، بول چال کی زبان میں اور رواں ہونی چاہیے۔
- شاعر نے شعر میں اگر کوئی تشبیہ یا استعارہ، کنایہ، تلمیح یا کوئی صنعت لفظی یا معنوی استعمال کی ہے تو اس کی وضاحت ہونی چاہیے۔
- شاعر کا شعری مزاج اور اسلوب پیش نظر رہنا چاہیے۔
- خواجہ حیدر علی آتش کے ایک شعری تشریح ملاحظہ کریں:

زیر زمین سے آتا ہے جو گل سوز رکف

قارون کے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

مفہوم: زمین میں سے جو پھول بھی اگتا ہے وہ لازماً زرگل لیے ہوتا ہے۔ کہیں اس کی وجہ قارون کا خزانہ تو نہیں؟

تشریح: زیر تشریح شعر کے پس منظر میں "گنج قارون" یا "قارون کا خزانہ" ایک معروف تلمیح ہے۔ روایت ہے کہ حضرت موسیٰ کے زمانے میں ایک انتہائی مال دار مگر بخیل شخص تھا۔ جس کے ہاتھ کہیں سے پارس پتھر لگ گیا تھا، جس کی وجہ سے، اس کے پاس اتنا سونا اکٹھا ہو گیا تھا کہ اس کے خزانوں کی چابیاں ستر اونٹوں پر لادی جاتی تھیں۔ حضرت موسیٰ نے اسے کہا کہ تم زکوٰۃ دو مگر اس نے انکار کر دیا تو وہ حضرت موسیٰ کی بددعا سے اسے سونے کے خزانوں سمیت زمین میں دھنس گیا۔

شاعر (آتش) نے اس تلمیح سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قارون کے سونے کے خزانے نے زیر زمین جا کر بھی چین نہیں لیا اور وہ زرگل کی صورت میں زمین سے باہر آ رہا ہے اور ہر پھول اپنی پھیلی میں زرگل (زردانے) پکڑے ہوئے زمین باہر نکلتا ہے۔ اس انوکھے خیال کو

مرزا غالب نے کچھ یوں بیان کیا ہے:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

شاعر کے کہنے کا مفہوم یہ ہے کہ کچھ بڑے ہی حسن و جمیل لوگ تھے، جو زمین چلے گئے مگر وہاں بھی ان کے حسن نے چین نہیں لیا اور ان کا حسن لالہ و نگل کی صورت میں زمین سے باہر آ رہا ہے۔

آتش کے کہنے کا مفہوم یہ ہے کہ ہر پھول زر نگل لیے ہوتا ہے تو اس کی وجہ تارون کا سونے کا خزانہ ہے۔ اس صورت حال کو شعری اصطلاح میں صنعتِ حسنِ تعلیل کا نام دیا جاتا ہے، یعنی شاعر نے زمین سے اپنی ہتھیلی میں زر نگل لیے پھولوں کے اُگنے کی جو وجہ بیان کی ہے وہ اصل وجہ نہیں مگر شاعر نے کیا خوب صورت وجہ بیان کی ہے، جس پر یقین کرنے کو جی چاہتا ہے۔

(۵) غزل کے اشعار کی تشریح کے لیے پیشہ ہدایات اور نمونے کی تشریح کی روشنی میں درج ذیل شعروں کی تشریح کریں:

اُڑتا ہے شوقِ راحتِ منزل سے اس پِ عمر
مہمیز کہتے ہیں کسے اور تازیانہ کیا
طلب و علم پاس ہے اپنے نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا

سرگرمیاں:

- کوئی خوش الحان غالب علمِ جماعت کے کمرے میں دُست آہنگ کے ساتھ اس غزل کی بلند خوانی کرے۔
- تمام طلبہ آتش کی اس معروف غزل کو زبانی یاد کریں۔
- طلبہ ”کلیاتِ آتش“ یا انٹرنیٹ کی مدد سے ایک اور زبانِ زودِ خاص و عام غزل تلاش کر کے اپنی کاپی میں لکھیں۔ اس غزل کا مطلع ہے:

دہن پر ہیں ان کے گماں کیسے کیسے
کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے

اشاراتِ تدریس

- ۱۔ استاد آتش کی یہ غزل خود پڑھے اور طلبہ سے قافیے اور ردیف کی نشان دہی کرائے۔
- ۲۔ استاد طلبہ کو خواجہ حیدر علی آتش اور امام بخش ناسخ کی شاعرانہ چشمک سے بھی آگاہ کرے۔
- ۳۔ استاد طلبہ کو مقطع پڑھ کر سناتے ہوئے بتائیں کہ مقطع میں یہ اشارہ امام بخش ناسخ کی طرف ہے۔





ناصر کاظمی

(۱۹۲۵ء-۱۹۷۲ء)

سید ناصر رضا کاظمی المعروف بہ ناصر کاظمی کی جائے ولادت انبالہ (مشرقی پنجاب، انڈیا) ہے۔ ان کے والد گرامی سید محمد سلطان کاظمی رائل انڈین آرمی میں صوبے دار میجر کے عہدے پر فائز تھے۔ والدہ کا تعلق علم و کتاب سے تھا اور وہ انبالہ کے مشن گرلز ہائی سکول میں ٹیچر تھیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ناصر کاظمی نے پرائمری تک کی تعلیم اپنی والدہ کے سکول سے اور میٹرک مسلم ہائی سکول انبالہ سے کیا اور مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے لاہور آگئے اور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں داخلہ لے لیا، جہاں سے ایف اے پاس کیا۔ اس کے بعد بی اے کرنے کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا مگر ناسازگار حالات کی وجہ سے بی اے کیے بغیر ہی تعلیم ترک کر دی۔

ناصر کاظمی قیام پاکستان کے بعد اپنے خاندان کے ہم راہ انبالہ سے ہجرت کر کے کرشن نگر لاہور میں آگئے اور جب ان کے والدین کا سایہ سر سے جلد ہی اٹھ گیا تو انھوں نے ملازمت کرنے کی ٹھانی۔ ملازمت کے سلسلے میں پہلے تقریباً دو سال تک مجلہ ”ادواقِ نو“ کے مدیر رہے، پھر پانچ سال تک ماہنامہ ”ہمایوں“ کی ادارت کے فرائض انجام دیے اور بعد ازاں ایک سال تک ماہنامہ ”خیال“ کے مدیر و ناشر رہے۔ انہیں بعد ۱۹۶۴ء میں بطور سٹاف آرٹسٹ ریڈیو پاکستان لاہور کے ساتھ منسلک ہو گئے اور یہ وابستگی تادم واپس رہی۔ ناصر کاظمی کی شاعری کا آغاز زمانہ طالب علمی ہی سے ہو گیا تھا۔ ان کی پہلی غزل ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئی اور پھر وہ تواتر کے ساتھ رسائل و جرائد میں چھپتے رہے۔

ناصر کاظمی کی شاعری میں میر کی سی اداسی نظر آتی ہے۔ شہر، مات، سفر وغیرہ آپ کے خاص موضوعات ہیں۔ آپ نے روایت سے بغاوت کیے بغیر غزل میں نئی راہیں تلاش کیں۔ اُردو شاعری میں ناصر کاظمی کا کمال یہ ہے کہ جو کچھ وہ اپنے گرد و پیش میں دیکھتے ہیں، وہیں سے علامتیں اور استعارے اخذ کرتے ہیں اور یہ آپ کی انفرادیت ہے جسے انھوں نے بڑی سادگی اور دردمندی سے بیان کر دیا ہے۔ ان کی شاعری کے مجموعوں میں: ”برگِ نئے“، ”سُر کی چھایا“، ”نشاطِ خواب“، ”دیوان“ اور ”پہلی بارش“ شامل ہیں جب کہ ان کا تمام کلام ”کلیاتِ ناصر کاظمی“ کی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔

غزل

مقاصدِ تدریس:

- ۱۔ طلبہ کو اردو غزل کے جدید دور سے آگاہ کرنا۔
- ۲۔ طلبہ کو ناصر کاظمی کے اندازِ بیان اور ان کی غزل کی نمائندہ خصوصیات سے آگاہ کرنا۔
- ۳۔ طلبہ کو روشناس کرنا کہ شعر جتنا آسان نظر آتا ہے، کہنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے اور مثال کے طور پر ناصر کاظمی کی اس غزل سے شعروں کی مثال پیش کرنا اور بتانا کہ یہ غزل سہل ممتنع کی خوب صورت مثال ہے۔
- ۴۔ طلبہ کو اس غزل میں آنے والے نئے الفاظ و تراکیب کے استعمال کے بارے میں بتانا۔

غم ہے یا خوشی ہے تُو
میری زندگی ہے تُو
آفتوں کے دور میں
چین کی گھڑی ہے تُو
میری رات کا چراغ
میری نیند بھی ہے تُو
میں خزاں کی شام ہوں
رُت بہار کی ہے تُو
دوستوں کے درمیاں
وجہ دوستی ہے تُو
میری ساری عمر میں
ایک ہی کمی ہے تُو
میں تو وہ نہیں رہا
ہاں مگر وہی ہے تُو
ناصر اس دیار میں
کتنا اجنبی ہے تُو

(کلیاتِ ناصر کاظمی)



- (۱) ناصر کاظمی کی اس غزل کے متن کے پیش نظر مختصر جواب لکھیں۔
- (الف) ”غم ہے یا خوشی“ شاعر نے ہر حال میں زندگی کو کیسے قرار دیا ہے؟
- (ب) شاعر نے آفتوں کے دور میں چین کی گھڑی کسے کہا ہے؟
- (ج) شاعر نے اپنے آپ کو خزاں کی شام کیوں کہا ہے؟
- (د) شاعر نے اپنے آپ کو دوستوں کے درمیان وجہ دوستی کیوں قرار دیا ہے؟
- (ه) شاعر نے اس دیار میں اپنے آپ کو اجنبی کیوں کہا ہے؟

(۲) کالم (الف) کے مصرعِ اوّل کو کالم (ب) کے مصرعِ ثانی کے ساتھ اس طرح ملائیں کہ شعر مکمل ہو جائے۔

کالم (ب)	کالم (الف)
چین کی گھڑی ہے تُو	غم ہے یا خوشی ہے تو
رُت بہار کی ہے تُو	آفتوں کے دور میں
ہاں مگر وہی ہے تُو	میری رات کا چراغ
میری زندگی ہے تُو	میں خزاں کی شام ہوں
میری نیند بھی ہے تُو	میں تو وہ نہیں رہا

(۳) درج ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

چین کی گھڑی	خزاں	رُت	وجہ دوستی	دیار	اجنبی
-------------	------	-----	-----------	------	-------

(۴) شاعر نے اپنی غزل کے مطلع میں کون سی صنعت استعمال کی ہے، نشان دہی کریں۔

(۵) درج ذیل شعر کی تشریح کریں:

میں خزاں کی شام ہوں
رُت بہار کی ہے تُو

- طلبہ ناصر کاظمی کی یہ غزل درست تلفظ کے ساتھ پڑھیں اور صنعت تضاد کے حامل اشعار الگ کر کے سنائیں۔
- تمام طلبہ ناصر کاظمی کی اس غزل کو نثر کی صورت بنا کر اپنی کاپیوں میں لکھیں اور استاد سے اصلاح لیں۔

اشارات تدریس

- ۱۔ ناصر کاظمی کا موازنہ چند ہم عصر شاعروں سے کیا جائے۔
 - ۲۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ غزل علامہ ورموز (اشارے کنائے) کی زبان ہے اور ان سے پوچھیں کہ اس غزل میں خزاں، بہار، دیار اور اجنبی کے الفاظ کس بات کی علامت ہیں۔
 - ۳۔ اساتذہ ناصر کاظمی کے چند زبان زد خاص و عام شعر سنائیں۔
- اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ ناصر کاظمی کو مشرقی پاکستان کے علیحدہ ہو جانے کا بڑا غم تھا اور طلبہ کو ان کی یہ غزل سنائیں جس کا پہلا شعر ہے:
- وہ ساحلوں پہ گانے والے کیا ہوئے
وہ سسکتیاں چلانے والے کیا ہوئے
- ۴۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ شعروں میں زبان زد خاص و عام ہونے کی صلاحیت کیسے پیدا ہوتی ہے؟





پروین فتنہ سید

(۱۹۳۶ء-۲۰۱۰ء)

پروین فتنہ سید کا اصل نام پروین سید ہے۔ شاعری کا آغاز کیا تو ”فتا“ تخلص پسند کیا اور یوں پروین فتنہ سید کے نام سے معروف ہوئیں۔ جائے ولادت لاہور ہے۔ ان کے والد گرامی سید ناصر حسین رضوی محکمہ جیل خانہ جات میں سپرنٹنڈنٹ جیل تھے اور والدہ کا نام سیدہ افتخار النساء تھا جو امور خانہ داری کی بڑی ماہر خاتون تھیں۔

قیام پاکستان کے وقت آپ گورداسپور (مشرقی پنجاب، انڈیا) میں مقیم تھیں جہاں کے ہندو مسلم فسادات نے آپ کے ذہن کو بڑا متاثر کیا جس کے اثرات بعد ازاں آپ کی شاعری میں بھی در آئے۔

آپ نے گوجرانوالہ سے اعلیٰ نمبروں میں میٹرک پاس کیا اور لاہور آکر لاہور کالج برائے خواتین میں پری میڈیکل کلاس میں داخلہ لے لیا۔ ان کی لیڈی ڈاکٹر بننے کی خواہش تھی لیکن انھی دنوں شدید علالت کے باعث وہ اپنے خواب کو شرمندہ تعبیر نہ کر سکیں کیوں کہ ڈاکٹروں نے انھیں کافی عرصہ تک دماغی کاموں سے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ بہر حال اس کیفیت میں بھی انھوں نے بہت نہ ہاری اور ایک سال بعد انٹر میڈیٹ کا امتحان بڑے اچھے نمبروں میں پرائیویٹ طور پر پاس کر لیا۔ بعد ازاں آپ سید احمد کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئیں۔ شادی کے وقت آپ کے رفیق حیات پاک فوج میں آفیسر تھے۔ شادی کے بعد آپ نے لاہور کالج برائے خواتین لاہور ہی سے گریجوایشن کی اور امور خانہ داری میں ایسی مصروف ہوئیں کہ مزید تعلیم حاصل کرنے کا خیال ترک کر دیا۔

پروین فتنہ سید کو فن مصوری اور موسیقی میں گہری دل چسپی تھی۔ ان کے فن کا تعارف اس وقت ہوا جب ۱۹۵۸ء میں ریڈیو پاکستان راولپنڈی سے پہلی مرتبہ ان کا کلام نشر ہوا۔

پروین فتنہ سید اپنی ابتدائی دور کی شاعری میں انا جعفری (۱۹۲۳ء-۲۰۱۵ء) سے متاثر تھیں اور انھی کے رنگ میں شاعری کرتی تھیں۔ بعد میں فیض احمد فیض سے کب فیض کیا اور شاعری میں اصلاح لی تو اپنا رنگ شاعری اختیار کیا جو تا دم واپس جاری رہا۔ پروین فتنہ سید کی معاصر شاعرات میں کشور ناہید، شبنم شکیل، فہمیدہ ریاض اور پروین شاکر وغیرہ شامل ہیں مگر ان سب شاعرات کی موجودگی میں ان کی الگ تھلگ شناخت ہے۔ ان کی تصانیف میں: ”حرف وفا“، ”تمنا کا دوسرا قدم“، ”یقین“، ”لہو سرخرو ہے“ اور ”حیرت“ شامل ہیں اور ان کی کلیات بھی شائع ہو چکی ہے۔



مقاصد تدریس:

- ۱۔ طلبہ کو پروین فاضلہ کی ہم عصر شاعرات کے ناموں سے آگاہ کرنا۔
- ۲۔ طلبہ کو پروین فاضلہ کے فکر و خیال اور اسلوب کے بارے میں روشناس کرنا۔
- ۳۔ طلبہ کو پروین فاضلہ کے کلام کی پسندیدگی کی وجہ بتانا۔
- ۴۔ طلبہ کو پروین فاضلہ کی اس غزل میں آنے والے قافیے، ردیف اور تراکیب سے آگاہ کرنا۔

کاش طوفان میں سفینے کو اٹارا ہوتا

ڈوب جاتا بھی تو موجوں نے اُبھارا ہوتا

ہم تو ساحل کا تصور بھی مٹا سکتے تھے

لب ساحل سے جو ہلکا سا اشارا ہوتا

تم ہی واقف نہ تھے آدابِ جفا سے در نہ

ہم نے ہر ظلم کو ہنس ہنس کے سہارا ہوتا

غم تو خیر اپنا مُقَدَّر ہے، سو اس کا کیا ذکر

زہر بھی ہم کو بہ صد شوق گوارا ہوتا

باغباں تیری عنایت کا بھرم کیوں گھٹا

ایک بھی پھول جو گلشن میں ہمارا ہوتا

تُم پر اسرارِ فنا، رازِ بقا گھل جاتے

تُم نے ایک بار تو یزداں کو پکارا ہوتا

(کلیاتِ پروین فاضلہ)

جماعت نہم

- (۱) پروین نسید کی اس غزل کے متن کے پیش نظر مختصر جواب لکھیں۔
- (الف) شاعرہ کو طوفان میں سفینے کو اٹارنے کی شدید خواہش کیوں ہے؟
- (ب) شاعرہ کس صورت میں ساحل کا تصور متادینے کے لیے تیار ہے؟
- (ج) شاعرہ کس حال میں ہر ظلم کے سہارے کے لیے آمادہ ہے؟
- (د) شاعرہ کس صورت حال میں بہ صد شوق رہبر کو گواہ کرنے کے لیے تیار ہے؟
- (و) شاعرہ کس کے بھرم کھٹنے کی بات کر رہی ہے؟
- (۲) غزل کے متن کو بغیر نظر رکھ کر کالم (الف) میں دیے گئے الفاظ کو کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ کے ساتھ ملائیں تاکہ درست مصرعے ترتیب پاسکیں۔

کالم (ب)	کالم (الف)
بھی مٹا سکے تھے	کاش طوفان میں
آدابِ جنائت سے دھند	ہم تو ساحل کا تصور
سو اس کا کیا ذکر	تم ہی واقف نہ تھے
مازہ بھٹا کھل جاتے	غم تو خیر اپنا مقدر ہے
سفینے کو اٹھا ہوتا	تم پر اسرارِ فنا

- (۳) اس غزل میں ہم آواز الفاظ: اٹاتا، اُبھاتا، اِشٹاتا، سہاتا، گواتا، ہماتا، پکاتا کے الفاظ کس طور پر استعمال ہوئے ہیں؟
- (۴) اس غزل میں مطلع کے دونوں مصرعوں اور اس کے بعد آنے والے ہر دو سرے مصرعے میں دو لفظ کیا ہے جو میں و غن دہرایا جاتا ہے اور اُسے اصطلاح میں کیا نام دیا جاتا ہے؟
- (۵) درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کے معنی واضح ہو جائیں۔

تصور	موجوں	سفینہ	طوفان	ساحل
------	-------	-------	-------	------

- (۶) اس غزل کی درج ذیل تراکیب کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

آدابِ جنائت	بہ صد شوق	عنایت کا بھرم	اسرارِ فنا	مازہ بھٹا
-------------	-----------	---------------	------------	-----------

۷۔ اس غزل کے مطلع سے یہ اندازہ لگائیں کہ شاعر کا خیال کیا ہے؟

۸۔ متن کے مطابق مناسب لفظ کی جگہ سے شعر سے مکمل کریں۔

(الف) ڈوب جاتا بھی تو _____ نے اُبھلا ہوتا

(ب) ہم نے ہر ظلم کو _____ کے سہارا ہوتا

(ج) زہر بھی ہم کو _____ گواہ ہوتا

(د) ایک بھی پھول جو _____ میں ہمارا ہوتا

(ه) تم نے ایک بار تو _____ کو پکڑا ہوتا

۹۔ اس غزل کے ان شعروں کی تشریح لکھیں اور متعلقہ صنعت کا حوالہ بھی دیں۔

باغباں تیری عنایت کا بھرم کیوں گھلتا

ایک بھی پھول جو گلشن میں ہمارا ہوتا

تم پر اسرارِ فنا، رازِ بقا گھل جاتے

تم نے ایک بار تو یزداں کو پکڑا ہوتا

سرگرمیاں:

- طلبہ پروین فائید کی یہ غزل درست تلفظ اور رواں لب و لہجے کے ساتھ کلاس میں پڑھیں۔
- طلبہ لا بھرری سے پروین فائید کا کلیات حاصل کریں اور ان کی کوئی اور مترنم غزل دوستوں کو سنائیں۔
- طلبہ اس غزل کے مطلع اور مقطع کو اپنی کاپی میں لکھیں۔

اشاراتِ تدریس

- ۱۔ اساتذہ طلبہ کو پروین فائید کی اس غزل میں زبان اور فکر و خیال کی خوبیوں سے آشنا کریں۔
- ۲۔ اساتذہ طلبہ کو پروین فائید کے علاوہ ان کی دیگر ہم عصر شاعرات سے متعارف کرائیں۔
- ۳۔ اساتذہ طلبہ کو اس غزل میں آنے والے استعاروں کی وضاحت مثالوں سے سمجھائیں۔
- ۴۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا تصور غزل کا اہم موضوع ہے۔



فرہنگ

(بہ لحاظ الف بائی ترتیب)

نوٹ: فرہنگ میں الفاظ کے بالعموم وہی معانی دیے گئے ہیں جو متن سے مطابقت رکھتے ہیں۔

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
۱۔ قر			
آہنگ	آواز	بجست بجز	حاش، کوشش
خلافت	جاں نشینی، قائم مقامی	لم رہے	جھکا رہے
سحر	صبح سویرے	سیدہ سنگ	پتھر کا سینہ
فلک	آسمان، چرخ	منصبِ آدمیت	آدمی ہونے کا مرتبہ
۲۔ ثقت			
تاج دارِ یثرب و یطحا	مدینہ و مکہ کے تاج دار	تاریا راست	یہ ایک تلمیح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کا نور تخلیق کیا
رحمتِ دو جہاں	دونوں جہان کے لیے رحمت		
سیدہ شب	رات کا سینہ	شاسا	واقف، جان پہچان والا
غایت	مقصد	غایتِ ادلی	افضل ترین مقصد
نظیر	مثال، مانند	نورِ اؤلین	سب سے پہلا نور
۳۔ اسوۂ حسنہ			
ازواجِ مطہرات	پاک بیویاں، مراد نبی کریم ﷺ کی ازواج	اتم المؤمنین	ایمان لانے والوں کی ماں
امکان بھر	جہاں تک ممکن ہو	بیوند	جوڑ، تھکلی
حشر	روزِ قیامت، حساب کتاب کے لیے جمع ہونا	خاطر داری کرنا	آؤ بھگت، دیکھ بھال کرنا
خوشہ	کسی پھل کا چٹخنا	داد و دہش	سخاوت، فیاضی، خیرات
دل جوئی کرنا	دل رکھنا، لحاظ کرنا	دوہتا	گائے بھینس وغیرہ کا دودھ نکالنا
شجاعت	بہادری، ہمت	شہادت	اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان قربان کرنا
عار	شرم، حیا	فلہ	اناج، جنس
فصل	موسم، دُت	کافض	مرمت کرنا، جوڑنا
گرو دی رکھنا	کسی چیز کو رہن رکھنا	مجزوہ	وہ کام جو انسانی طاقت سے باہر ہو

بدی	صاف، واضح، روشن	بیش بہا	بہت قیمتی
پرستش	پوجا پاٹ، عبادت	پنہال	پانی کے بہنے کی جگہ
تاب	توبہ کرنے والا	آلہ جز ثقیل	کرین، بھاری وزن اٹھانے والی مشین
ماشاد کا	ہرگز نہیں، قطعاً نہیں	ظ	لطف، مزہ
خضر	راہ نما، غیبی مدد کرنے والی برگزیدہ ہستی	فانوس خیال	چلتی ہوئی فلم۔ خیالی تصویریں
قوی	قوت والا، طاقت ور	لابدی	لازمی، ضروری
بار سرخ	خزانے کے اوپر بیٹھا ہو اسانپ	مانع	منع کرنے والا، رکاوٹ

۵۔ کلیم اور مرنا ظاہر دار بیگ

اُپے	پاتھیاں، سوکھا گوشت	اپنے تئیں	اپنے آپ کو
احتمل	ڈر، خدشہ	اختلاج قلب	دل کی غیر معمولی دھڑکن
اشداد	شدت، سختی	بے بہرہ	ناداقت، جاہل
بھڑ	بھٹی، جہاں دانے بھونتے ہیں	پائیں باغ	گھر کی بچھل جانب کا باغ
تسج بے بنگم	بے وقت کا مسلسل شور	جاہ و حشمت	شان و شوکت
چار و تاجار	مجبوراً، ہر صورت میں	چرب زبانی	چکنی چڑی باتیں کرنا
حیثیت	غیرت شرم و حیا	خاصا	بادشاہ یا امرا کا کھانا
حَقَقَان	دل کی تیز دھڑکن، وحشت	دیوان خانہ	مہمان خانہ
دیو اشتہا	بھوک کا جن بھوت	رخنہ اندازیاں	رکاوٹیں
روگ	دکھ، بیماری	سخن سازی	باتیں بنانا
سرائے	مسافر خانہ	شاق گزرتا	بُرا لگنا
خُندہ خُندہ	ہوتے ہوتے	خمار	لیپ، پٹی، مرہم
غایت درجہ	اونچا درجہ، انتہائی درجہ	کثیف تکیہ	مسیلا کچیل یا غلیظ سر حانا
کنزے	ایک احاطے کے گھر	کرنجی	نیلے لنگ کا
کو تو ال	محافظ، پولیس آفیسر	کھرنجے کافر ش	کھڑی انٹیوں کافر ش
کاڑھی چھنا	آپس میں زیادہ پیار ہونا	گجھرم	صبح سویرے

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
۷۔ نام دیو مالی			
اُج	نرالا پن، جدت	استعداد	صلاحیت، قابلیت
باؤلی	وہ چوڑا کنواں جس میں میڑھیاں بنی ہوتی ہیں	بلاشت	تازگی، خوشی
بلا تامل	بغیر سوچے سمجھے	بیز	دشمنی، عداوت
بیزلی	بچوں کی بنی ہوئی سگریٹ	بیگار	بلا اجرت کام
تھانولا	پودے کے چاروں جانب پانی ڈالنے کی جگہ	جھاڑنا بہارنا	جھاڑ پونچھ کرنا، صاف کرنا
چمن بنانا	کیاریوں میں پھول لگانا	داروغہ	نگرانِ اعلیٰ
جھکڑ	غول، گردہ	دنیا دانیہا	دنیا اور جو کچھ اس میں ہے
ڈھیر	ایک کم درجے کی ذات کا نام	روشنیں	راستے، پگڈنڈیاں
۸۔ آرام و سکون			
بے ڈھنگا	بُرے رنگ ڈھنگ کا	بے طرح	حد سے زیادہ، بہت زیادہ
پر نہ مارنا	پر داز نہ کر سکتا، اڑ نہ سکتا	تردّد	فکر، پریشانی
تقویت	قوت، طاقت	تھکان	تھکاؤ، تھکن
زیچ ہونا	تنگ ہونا، چڑ جانا	سقا	پانی بھرنے والا
علیل	بیمار، نامراز	کراہنا	درد کی وجہ سے آواز نکالنا
کواڑ	درد اڑے یا کھڑکی کا پٹ	مقوی	قوت، طاقت
مضر	نقصان دہ، غیر مفید	نصیب دشمنان	ایسا دشمنوں کے نصیب میں ہو
نغمہ سرائی کرنا	گیت گانا	ہا دن دستہ	دوا غیرہ کوٹنے کا آلہ
۸۔ کتبہ			
آکس	ستی، کابلی	اثاثہ	سامان، سرمایہ
انٹرنس	میٹرک کا امتحان	پُر نضا	خوش گوار، اچھی ہوا
پھلواریاں	پھولوں کی کیاریاں	پتے در پتے	مسلل، لگاتار
ترمیم	جدیلی، درستی	توند	بڑھا ہوا پیٹ
جلی حروف	بڑے بڑے حرف	چابک دستی	ہوشیاری، فن کاری
چوڑی چکلی	بہت زیادہ چوڑی	جہاں دیدہ	تجربہ کار
خس و خاشاک	گھاس پھوس، نیچے	خراماں خراماں	آہستہ آہستہ چلتے ہوئے

دیکھو	دشمن ہوتا	دشمن سے کاغذات	دیکھو
سعی لا حاصل	نہایت	نہایت سے کاغذات	نہایت
سولا بیٹ	نہایت	نہایت سے کاغذات	نہایت
غل غیاث	نہایت	نہایت سے کاغذات	نہایت
قتل	نہایت	نہایت سے کاغذات	نہایت
کاغذ	نہایت	نہایت سے کاغذات	نہایت
گندہ کرانا	نہایت	نہایت سے کاغذات	نہایت
کہنے فروش	نہایت	نہایت سے کاغذات	نہایت
کھاگ	نہایت	نہایت سے کاغذات	نہایت
لطیفہ شبی	نہایت	نہایت سے کاغذات	نہایت
مطلق	نہایت	نہایت سے کاغذات	نہایت

۹۔ ابتدائی حساب

آرمودہ	آرما پاہوا	ہندی	نقطہ
تفریق پیدا کرنا	فرق رکھنا	جرا	مجبوری کے تحت
جہل	جہالت، نا سمجھی	خطِ مخفی	میز می میز می لکیر
سلب کر لینا	چھین لینا	شاہ	شک و شبہ
ضربِ خفیف	فدا کی چوٹ	ضرب شدید	سخت یا زیادہ چوٹ
قامت	مہر شکر، تموڑے پدائی رہنا	کیسہ	جیب، پاکٹ، تھیلا
مانع	رکاوٹ، منع کرنا	منہا کرنا	تفریق کرنا

۱۰۔ لڑی میں پروئے ہوئے منظر

آخر الذکر	جس کا ذکر آخر میں ہو	آنکھیں موندنا	آنکھیں بند کر لینا
اول الذکر	جس کا ذکر پہلے ہو	پایہ تخت	دار الحکومت
پیش رو	آگے آئے طے والا	دریاد یا چلتا	دریا کے ساتھ ساتھ چلتا
خونمند	صحت مند	حمرنا	پکتے پانی کا پیشرہ
چشم دید گواہ	آنکھوں دیکھا گواہ	چپکار	پرندوں کی آوازیں
روندا	پاؤں تلے کھانا	شعور	عقل، سمجھ بوجھ

جماعتِ نهم

معانی	الفاظ	معانی	الفاظ
میشی چیز، چینی، شکر	قد	نصیحت، سبق	عبرت
خدا کو پہچاننے کے لیے غور فکر کرنا	گیان و حیان	قاعدہ کی جمع، گرامر	قواعد
ہم نشین، ساتھی	مصاحب	ماز جاننے والا	محرم ماز
۱۱۔ بھیڑیا			
سخت غصے میں ہونا	آگ بجولا ہونا	آسانیاں، خوشیاں	آسانئیں
پاگل پن، دیوانہ پن	ہاڈلا پن	جوڑ، بدن، جسم	آگ
رسی ڈالنا	پھندا ڈالنا	بے فائدہ، بے کار	بے سود
مجرم کو پھانسی یا موت کے گھاٹ اتارنے والا	جلاد	ظلم و ستم	جبر
خوف و ہراس، کچکپاہٹ	سنسنی	پاگل پن، دیوانہ پن	جنون
برا بھلا کہنا، بد دعا دینا	کوسنا	منہ سے غصے کی آواز نکالنا	غرانا
ٹھکانا، رہنے کی جگہ	مسکن	سوچنے سمجھنے کے قابل نہ رہنا	ماؤف ہونا
۱۲۔ محنت کی برکات			
برباد ہونا، ضائع ہونا	تلف ہونا	مشکل وقت	اڑے وقت
علاج، دوا	درماں	خوبی، اچھائی	جوہر
آسان، سہولت سے	سہل	قدرت کا زور	زور قضا
حکومت کرنا، حکمرانی	فرماں روائی	شکار	صيد
ضروری ہے	لازم ہے	بڑائی، اچھائی	فضیلت
چھپا ہوا، پوشیدہ	خفی	ایسا نہ ہو	نباہا
۱۳۔ جاوید کے نام			
پیالہ، کٹورا	جام	پھل، نتیجہ	ثمر
مٹی کا پیالہ	یصال	شہر، آبادی	دیار
انگور کی بیل	شاخ تاک	خاموشی، چپ	سکوت
طور طریقہ	طریق	شیشہ بنانے والے	شیشہ گراں
لالے کا رنگ، سرخ رنگ کا	لالہ فام	انگریز خصوصاً برطانیہ کا باشندہ	فرنگ
۱۴۔ پیام لطیف			
مکمل ترین ایمان	ایمان کامل	سہارا، بھروسا	آسرا

نوصیف	تقریف	مازل کا نات	نیا کورق، سینے والا
سنگ ریزے	بتر کے ٹکڑے	شش جہات	نئے طریقے (دامیں، ہائیں، سامنے، پیچھے، اوپر، نیچے)
علم	علم والا	فوقیت	برتری دینا
گوہر بے بہا	بہت قیمتی موتی	معصیت	گناہ، قصور
وحد ولا شریک	وہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔	واہت	مسلک، تعلق دار

۱۵۔ کرکٹ اور مشاعرہ

انٹازی	نا تجربہ کار	اہمال	تاخیر، غفلت، بے توجہی
ریاضِ مسلسل	لگاؤ و محنت	عندلیب	بلبل، ایک خوش نوا پرندے کا نام
شاعر	جو شاعر نہ ہو مگر اپنے آپ کو شاعر کہتا ہو	مقدّر	قسمت، تقدیر

۱۶۔ غزل (میر تقی میر)

بے خود	اپنے آپ میں نہ رہنا، سرشار	تجھ میں	تیرے بغیر
جہیں	پیشانی، ماتھا	حق بندگی	عبادت کا حق، غلامی کا حق
شفا	علاج، دوا	عہد	وعدہ، کئی ہوئی بات

۱۷۔ غزل (آتش)

اسپ عمر	عمر (زندگی) کا گھوٹا	تازیانہ	کوٹا، چابک
دلِ حزیں	غم گین دل	زر بکف	ہتھیلی پر سونا رکھے ہوئے
طلی و علم	ڈھول اور جھنڈا	مدعی	دعوے دار، مخالف، رقیب
مکل	پھول، کھلا ہوا	مہیز	ایڑ لگانا

۱۸۔ غزل (ناصر کاظمی)

آفتوں	مشکلوں، پریشانیوں	چمین	آرام، سکھ
دیدار	شہر، ملک	زُت	موسم، زمانہ

۱۹۔ غزل (پروین فاضل)

آدابِ جفا	ستم ڈھانے کے انداز	بہ صد شوق	بڑے شوق سے
بھرم	لحاظِ شرم	تصوّر	خیال، گمان
رازی بھا	ہمیشہ زندہ رہنے کا ناز	سفینہ	کشتی، ناو
عنایت	کرم، مہربانی	یزداں	مراد ہے خدا تعالیٰ